المنار جرمنی

ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

T. I. COLLEGE OLD STUDENT´S ASSOCIATION GERMANY

اپریل۔ مئی۔ جون۔ 2023

المنار جرمنی

اپریل۔مئی۔جون 2023

بمطابق:شہادت۔ہجرت۔احسان۔1400ہجری شمسی

ادار یہ

محترم قارئین المنار جرمنی!

سالِ رواں کا دوسرا شمارہ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔اس رسالہ میں تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس جرمنی کی سرگرمیوں کے علاوہ پیغامات، پرانی یادیں۔ پاکستان اور دیگر معاملات سے متعلقہ مضامین، یادگاری تصاویر اور شعراء کا کلام پیش کیا جاتا ہے۔حتی المقدور کوشش ہوتی ہے کہ موجودہ وقت کے مناسب حال المنار کے پرانے طرز کو مدِ نظر رکھا جائے۔تمام دنیا میں پھیلے ہوئے طلبائے قدیم کی خدمت میں گزارش ہے کہ ان کے پاس کالج کے زمانے کی تصاویر اور یادگاری دستاویزات موجود ہوں تو انہیں براہ کرم ضرور شئیر کریں۔

اسی طرح ٹکوسا جرمنی کا ایک وٹس ایپ گروپ ہے۔اس میں بھی صدر مکرم عبدالغفور ڈوگر صاحب کے وٹس ایپ نمبر 178 49+ 5613592 پرپیغام دے کرشامل ہوسکتے ہیں۔ٹکوسا جرمنی کے کارِ خیر کے پروگراموں کے لئے علاوہ طلبائے قدیم کے دوسرے احباب بھی شامل ہوتے ہیں۔اب سہولت یہ بھی ہے کہ کسی بھی سیکریٹری مال کو آپ جماعتی رسید بک پر ادائیگی کر کے نیکی مین شامل ہو سکتے ہیں۔اس رسالے کی بہتری کے لئے آپ کی بیش قیمت آراء کا خیر مقدم کیا جائے گا

مدیر المنار جرمنی

زیرِ نگرانی

پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب
سرپرست تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

چوہدری عبدالغفور ڈوگر

مدیر اعلیٰ المنار

چوہدری محمد کولمبس خاں

پتہ
Bait us Sabooh
Genferstrasse 11
60437 Frankfurt / M
E-Mail:
columbuskhan@gmail.com

ارشادِ باری تعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿1﴾
الٓمّٓ ﴿2﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَہُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴿3﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ
صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ﴿4﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ﴿5﴾ مَنْ کَانَ یَرْجُوْا
لِقَآءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ ؕ وَہُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿6﴾ وَمَنْ جَاہَدَ فَاِنَّمَا یُجَاہِدُ لِنَفْسِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ
﴿7﴾ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُکَفِّرَنَّ عَنْہُمْ سَیِّاٰتِہِمْ وَلَنَجْزِیَنَّہُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿8﴾

اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔

میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہوں کیا لوگ یہ گمان کر بیٹھے ہیں کہ یہ کہنے پر کہ ہم ایمان لے آئے وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اور آزمائے نہیں جائیں گے؟۔ اور ہم یقیناً اُن لوگوں کو جو اُن سے پہلے تھے آزمائش میں ڈال چکے ہیں۔ پس وہ لوگ جو سچے ہیں اللہ انہیں ضرور شناخت کر لے گا اور جھوٹوں کو بھی ضرور پہچان جائے گا۔ کیا وہ لوگ جو برے اعمال بجالاتے ہیں گمان کر بیٹھے ہیں کہ وہ (سزا سے بھاگ کر) ہم پر سبقت لے جائیں گے؟ بہت بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔ جو بھی اللہ کی لِقاء چاہتا ہے تو (اُس کے لئے) اللہ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ بہت سننے والا (اور) دائمی علم رکھنے والا ہے۔ اور جو جہاد کرے تو وہ اپنی ہی خاطر جہاد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ تمام جہانوں سے مستغنی ہے۔ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے ہم لازماً اُن کی بدیاں ان سے دور کر دیں گے اور ضرور اُنہیں اُن کے بہترین اعمال کے مطابق جزا دیں گے جو وہ کیا کرتے تھے۔

Alif-Lām-Mīm: Ich bin Allah, der Allwissende.
Meinen die Menschen, sie würden in Ruhe gelassen werden, wenn sie bloß sagen: „Wir glauben", und sie würden nicht auf die Probe gestellt? Wir stellten doch die auf die Probe, die vor ihnen waren. Also wird Allah gewiss die kennzeichnen, die wahrhaftig sind, und gewiss wird Er die Lügner kennzeichnen. Oder glauben diejenigen, die böse Taten begehen, dass sie Uns entrinnen werden? Übel ist, wie sie urteilen. Wer auf die Begegnung mit Allah hofft (der wisse, dass) die von Allah angesetzte Zeit sicher kommen wird. Und Er ist der Allhörende, der Allwissende. Und jene, die glauben und gute Werke tun – wahrlich, Wir werden ihre Übel von ihnen nehmen und ihnen den besten Lohn für ihre Taten geben.

حدیث نبوی ﷺ

حدیث بخاری 7082

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنْ الزُّهْرِيِّ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَكُونُ فِتَنٌ الْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِنْ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِنْ الْمَاشِي وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِنْ السَّاعِي مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ فَمَنْ وَجَدَ مَلْجَأً أَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْ بِهِ.

ترجمہ : ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا' کہا ہم کو شعیب نے خبر دی' انہیں زہری نے' انہیں ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے خبر دی اور ان سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسے فتنے برپا ہوں گے کہ ان میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہو گا اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہو گا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہو گا۔ اگر کوئی ان کی طرف سے دور سے بھی جھانک کر دیکھے گا تو وہ اسے بھی سمیٹ لیں گے ایسے وقت جو کوئی اس سے کوئی پناہ کی جگہ پالے اسے اس کی پناہ لے لینی چاہیئے۔

ملفوظات حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ ہمت اخلاق فاضلہ میں سے ہے۔ اور مومن بڑا بلند ہمت ہوتا ہے۔ اور اسے ہر وقت خدا تعالیٰ کے دین کی نصرت اور تائید کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اور کبھی بزدلی ظاہر نہ کرنی چاہیے۔ بزدلی منافق کا نشان ہے۔ مومن دلیر اور شجاع ہوتا ہے۔ مگر شجاعت سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس میں موقع شناسی نہ ہو۔ موقع شناسی کے بغیر جو فعل کیا جاتا ہے وہ تہوّر ہوتا ہے۔ مومن میں شتابکاری نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ نہایت ہوشیاری اور تحمل کے ساتھ نصرت دین کے لیے تیار رہتا ہے اور بزدل نہیں ہوتا۔ انسان سے کبھی ایسا فعل سرزد ہو جاتا ہے جو خدا تعالیٰ کو ناراض کر دیتا ہے اور کبھی خوش کر دیتا ہے۔ مثلاً اگر کسی سائل کو دھکا دیا تو وہ سختی کا موجب ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا فعل ہوتا ہے۔ اس لیے اسے توفیق نہ ملے گی کہ وہ اسے کچھ دے سکے۔ لیکن اگر اس سے نرمی اور اخلاق سے پیش آئے گا، تو خواہ اسے پیالہ پانی کا ہی دے دے تو وہ ازالۂ قبض کا موجب ہو جائے گا۔

(ملفوظات جلد 1 صفحہ 294-295)

ارشاد حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز

پس جہاں جہاں بھی احمدی ظلم کا نشانہ بن رہے ہیں وہ یاد رکھیں کہ یہ شیطان کے ساتھ آخری جنگ ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر آپ اس فوج میں داخل ہوئے ہیں جو اس زمانے کے امام نے بنائی۔ اس لئے اپنے ایمانوں کو مضبوط کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ سے ثبات قدم اور استقامت مانگتے ہوئے ہمیشہ اور ہر وقت صبر اور حوصلے کا مظاہرہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کے آگے مزید جھکیں۔ آخری فتح ان شاء اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کی ہی ہے۔ جیسا کہ آپؑ نے فرمایا ہے کہ ان شیطانی اور طاغوتی قوتوں کو شکست دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم فرمایا ہے۔ لیکن ایک بات ہمیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ بیرونی شیطان کو شکست دینے کے لئے جو اندرونی شیطان ہے اس کو بھی زیر کرنا ہو گا۔ کیونکہ ہماری فتح مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جڑنے کی وجہ سے ظاہری اسباب سے نہیں ہونی بلکہ دعاؤں سے ہونی ہے اور دعاؤں کی قبولیت کے لئے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی رضا کے مطابق چلنے والا بنانے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے نفس کا جہاد بھی بہت ضروری ہے۔ (خطبہ جمعہ 6؍مئی 2009ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

اظہار جذبات تشکر

(پروفیسر مکرم چوہدری حمید احمد صاحب۔ سرپرست ٹکو ساجرمنی)

خاکسار اپنے آپ کو اس بات کا اہل نہیں سمجھتا اور نہ ہی تحریر و تقریر میں کوئی تجربہ رکھتا ہے کہ ہر شمارہ میں میرا مضمون بھی شامل ہو مگر برادرم محترم چوہدری محمد کو لمبس خان، بطور مدیر اعلیٰ تن تنہا جس بے لوث لگن کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ کی اس خواہش کی تعمیل میں کہ ہماری ایسوسی ایشن کو رسالہ "المنار" جاری کرنا چاہئے، اس کے پیش نظر مجھے ندامت ہوتی ہے کہ جب وہ کوئی حکم دیں تو میں عذر پیش کروں۔ پھر میں سوچتا ہوں کہ کیا لکھوں۔ تاہم سب سے پہلے تو میرے دل میں نہ ختم ہونے والے تشکر کے جذبات ہی آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قائم فرمودہ تعلیم الاسلام کالج میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع دیا اور اپنے محسن قربانی کرنے والے اساتذہ کرام کی محبت اور تربیت سے مستفیض ہوئے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اگر حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ لاہور کی نہایت آرام دہ رتن باغ جیسی قیام گاہ چھوڑ کر خود بنفس نفیس ربوہ کی بے آب و گیاہ بستی میں ڈیرہ نہ لگا لیتے جہاں مٹی اور کلر کے علاوہ کچھ نہ تھا اور پھر غریب کارکنان کے بچوں کی تعلیم کی خاطر موعود نافلہ حضرت میاں ناصر احمدؒ کو حکم نہ دیتے کہ تعلیم الاسلام کالج کو، لاہور کی تمام Facilities کو ٹھکرا کر ربوہ کے صحرا میں لے آؤ تو ہم میں سے بہت سارے اعلیٰ تعلیم سے محروم ہو جاتے۔ اظہار تشکر کے انہیں احساسات نے ہمیں تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن قائم کرنے کی طرف مائل کیا تا کہ ہم گاہے بگاہے مل بیٹھ کر ان ایمان افروز یادوں کا تذکرہ کرکے اپنے محسنین کے لئے دعائیں کرتے رہیں اور ساتھ ہی شکرانے کے طور پر پاکستان میں ان غریب طلباء کی امداد کے لئے جن کے والدین اعلیٰ تعلیم کے بھاری اخراجات برداشت نہیں کر سکتے مالی امداد کے لئے سالانہ حسب توفیق کچھ رقم پیش کر سکیں۔ جب تک بطور صدر ایسوسی ایشن کی ذمہ داری اس خاکسار پر رہی خاکسار نے سکالر شپ فنڈ کی طرف توجہ مرکوز رکھی۔ میں ان تمام دوستوں کے لئے تا دمِ حیات دعاگو رہوں گا جو اس کارِ خیر میں شامل رہے۔ وہ سب میرے محسن ہیں۔

میں اس بات پر بھی اللہ تعالیٰ کا بے پناہ مشکور ہوں کہ ہمارے موجودہ صدر محترم چوہدری عبد الغفور ڈوگر صاحب نے اس ذمہ داری کو سنبھالتے ہی ایسوسی ایشن میں ایک نئی روح پھونک دی۔ انہوں نے نہ صرف سکالر شپ فنڈ کو بڑھایا

بلکہ کامیابی کے ساتھ خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز کی منظوری سے کئی نئی تحریکات کا آغاز کیا۔ سیرو افی الارض کے قرانی حکم کے تحت بیرون جرمنی کے سیاحتی پروگراموں کا آغاز کیا۔ افریقہ کے سکولوں کی امداد کا پروگرام بنایا۔ Sports کے پروگراموں میں وسعت پیدا کی۔ آج کل جب میں یہ سطور لکھ رہا ہوں تو TICOSA کی طرف سے مکرم شیخ منصور احمد صاحب "جنرل سیکرٹری TICOSA جرمنی" کے ذریعہ پاکستان میں رمضان پیکٹ تقسیم کئے جارہے ہیں۔ چوہدری عبد الغفور ڈوگر صاحب نے ایسوسی ایشن کے پروگراموں میں ماشاء اللہ اس قدر وسعت پیدا کی ہے جس کا چند سال قبل ہم تصور بھی نہیں کرسکتے تھے۔ یہاں میں ان کے بزرگ والد محترم چوہدری عبد العزیز ڈوگر مرحوم کا دعا کی غرض سے ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ کبھی تعلیم الاسلام کالج کے طالب علم تو نہیں رہے مگر تادم آخریں سالانہ باقاعدگی کے ساتھ ایک مکمل سکالرشپ کی رقم ادا فرماتے رہے۔ اور ان کی رحلت کے بعد، صدر صاحب خود ان کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے ان کی طرف اس رقم کی ادائیگی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

صدر صاحب کے ان تمام پروگراموں میں کامیابی کے لئے اپنی عاملہ کے تمام رفقاء کا تعاون حاصل ہونا بھی ضروری ہے جو الحمد للہ انہیں حاصل ہے۔ عاملہ کے تمام دوستوں کے نام یہاں بیان کرنے سے طوالت ہو جائے گی تاہم میں مکرم سید شکیل احمد صاحب کا ذکر ضروری ہے۔ وہ نہ صرف سیرو افی الارض کے پروگرام تن تنہا تیار کرنے کے ساتھ ساتھ باسکٹ بال ٹورنامنٹ کے لئے بھی دوستوں کو متحرک کرتے رہتے ہیں۔ ان Activities سے ہماری ایسوسی ایشن کا بنیادی مقصد تب ہی پورا ہو سکتا ہے جب ممبران دل کھول کر سکالرشپ فنڈ میں بھی مالی معاونت کریں۔ ان سب کے علاوہ ہم ان دوسرے دوستوں اور بزرگوں کے بھی ممنونِ احسان ہیں جو تعلیم الاسلام کالج میں زیر تعلیم تو نہیں رہے مگر باقاعدگی کے ساتھ بھاری رقوم سکالرشپ فنڈ میں پیش کرتے ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی بے لوث قربانیاں قبول فرمائے اور ان کو اپنی جناب سے اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین۔

خاکسار

حمید احمد چوہدری

سرپرست تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس جرمنی

پیغام صدر

عزیز برادران!

تعلیم اسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی کی طرف سے المنار ایک عرصہ سے باقاعدہ آپ کی خدمت پیش کیا جارہا ہے اس کی بہتری اور تیاری کے لئے آپ ممبران کی زمہ واری ہے۔ آپ کے قلمی تعاون کی ضرورت ہے اور بہتری کے لئے تجاویز بھی آنی چاہئیں مکرم چوہدری کولمبس خان صاحب نہایت محنت سے باقاعدہ مقررہ وقت پر آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اللہ تعالی اس کی جزا دے۔

رمضان المبارک میں اللہ تعالی ہمیں مقبول عبادات کی توفیق دے اس سال کی سکالرشپ فنڈ کی پہلی قسط 2.1 ملین روپے مرکز کو بجھوادی گئی ہے یہ سب کے تعاون سے ممکن ہوا ہے اس میں ابھی بہت تعاون کی ضرورت ہے اگر ہم سب معمولی توجہ دیں تو اس میں خاطر خواہ اضافہ کیا جاسکتا ہے اس کے اور بھی بہت سے رفاہی کام ہیں جس میں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔

گزشتہ سال 2022 میں ہماری ایسوسی ایشن کا پہلا تفریحی ٹور بلغاریہ اور یونان کا تھا جو الحمد اللہ بہت کامیاب رہا اس سال 2023 میں ان شاء اللہ عید کے بعد 3 مئی کو Morocco کا ایک ہفتہ کا ٹرپ ہو گا جس میں 20 دوست شامل ہو رہے۔ ہیں اس کی کامیابی کے لئے درخوست دعا ہے۔

اس سال جماعت جرمنی 100 سالہ جوبلی منارہی ہے اس کے لئے ہمیں بھی پروگرام بنانے چاہیں اور آپ کی تجاویز کا انتظار رہے گا۔ اس سال جون میں انصاراللہ کے سالانہ اجتماع کے موقعہ پر ایسوسی ایشن کا تعارفی دفتر بنایا جائے گا اللہ تعالی ہمیں بہتر رنگ میں خدمت کی توفیق دے اور حضور اقدس کی ہدایات کی روشنی میں کام کرنے کی توفیق دے آمین

والسلام

خاکسار

عبدلغفور ڈوگر

صدر ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ

Never shall you attain to righteousness unless you spend out of that which you love; and whatever you spend, Allah surely knows it well.

دائیں سے بائیں: محمد افضل، عبد الغفور ڈوگر، حیدر علی ظفرؔ، چوہدری محمود احمد، چوہدری حمید احمد، صاحبان

Wakalat Maal
ISLAMABAD UK

Salaam Block, Islamabad
2 Sheephatch Lane, Tilford
Farnham, GU10 2AQ
+44 20398 83841
+44 20398 83925
office@wmaal.org

Ref: WM-16946/14655/FA-16.03.2023
Your Ref:

مکرم و محترم عبد الغفور ڈوگر صاحب صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ بفضلہ تعالیٰ خیریت سے ہونگے۔

آپ کی طرف سے نظارت تعلیم ربوہ کو =/€7,000 یوروز بھجوانے کے تعلق میں خط ملا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

اس رقم کی ادائیگی کے لئے ربوہ اطلاع کر دی گئی ہے۔ حسب طریق وہاں ادائیگی ہو جائے گی انشاء اللہ

اس سے پہلے نومبر 22 میں آپ کی طرف سے =/€4,000 یوروز کی اطلاع بھی آئی تھی۔ جس کے لئے ربوہ لکھا جا چکا ہے۔ بطور رسید گی اطلاع ہے۔ کچھ دنوں میں رمضان شروع ہو جائے گا۔ دعا کی درخواست ہے

جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

والسلام۔۔خاکسار

16/3/23

ایڈیشنل وکیل المال اسلام آباد (یوکے)

الحمد للہ ثم الحمد للہ، تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی کو پاکستان میں مستحق طلبا کے لئے ہر سال وظائف کے لئے رقم جمع کر کے پیش کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔ بھائی جو اس غرض کے لئے قربانی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انکی قربانی قبول فرمائے اور ان کے اموال اور نفوس میں برکت ڈالے۔ آمین

ہوا میں تیرے فضلوں کا منادی — فَسُبۡحَانَ الَّذِی اَخۡزَی الۡاَعَادِی
میں کیونکر گِن سکوں تیری عنایات — ترے فضلوں سے پُر ہیں میرے دن رات

Pofessor Chaudhry Hameedullah among his pupils in Germany

24/08

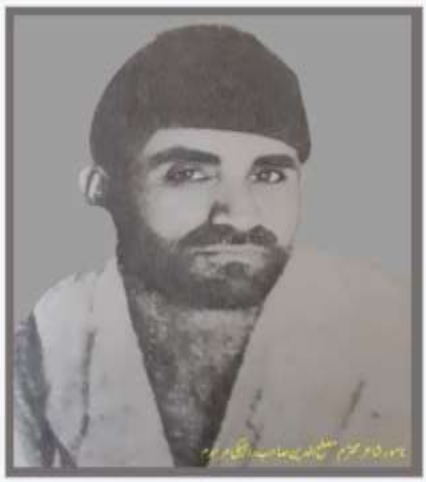

چل گزر راہِ فنا سے بے خطر ہونے کے بعد
معرکے ہوتے ہیں سر سینہ سپر ہونے کے بعد
کیا ہوا دریا میں گر موجیں قیامت خیز ہیں
پار لگتے ہیں سفینے شور و شر ہونے کے بعد
گِریا پیہم سے ہوتی ہے رسائی وصل تک
رنگ لاتی ہے وفا آشفتہ سَر ہونے کے بعد
جگمگا دے جلوۂ توحید سے دشتِ جہاں
سرنگوں بیٹھا ہے کیا رشکِ قمر ہونے کے بعد
اُٹھ گلستانِ جہاں میں زمزمہ پرواز ہو
خوابِ غفلت تا بکے نورِ سحر ہونے کے بعد
جوگ لینا یا اُداسا کھینچنا آساں نہیں
آتا ہے دھونی رمانا دربدر ہونے کے بعد
خاک سے کمتر سہی لیکن اے مصلحؔ کیا عجب
کیمیا بن جاؤں میں اُنکی نظر ہونے کے بعد

حسرت موہانی

یاد ہیں سارے وہ عیشِ بافراغت کے مزے
دل ابھی بھولا نہیں، آغازِ الفت کے مزے
وہ سراپا ناز تھا، بے گانۂ رسمِ جفا
اور مجھے حاصل تھے لطفِ بے نہایت کے مزے
حسن سے اپنے وہ غافل تھا، میں اپنے عشق سے
اب کہاں سے لاؤں وہ ناواقفیت کے مزے
میری جانب سے نگاہِ شوق کی گُستاخیاں
یار کی جانب سے آغازِ شرارت کے مزے
یاد ہیں وہ حسن و الفت کی نرالی شوخیاں
التماسِ عذر و تمہیدِ شکایت کے مزے
صحبتیں لاکھوں مری بیماریِ غم پر نثار
جس میں اٹھے بار ہا ان کی عیادت کے مزے

پاکستان اور بھارت کے جرمنی کے ساتھ سفارتی تعلقات کا جائزہ

(از منور علی شاہد۔ بشکریہ ہم سب مورخہ 12 مارچ 2023)

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ عالمی سطح پر سفارت کاری کے محاذ پر کامیابی اندرونی سیاسی استحکام اور معاشی طاقت سے مشروط ہوتی ہے۔ پاکستان اور بھارت دونوں نے 2021 میں جرمنی کے ساتھ سفارتی تعلقات کی 70 سالہ تقریبات منائی تھیں۔ اس عرصہ میں اگر دونوں ممالک کی سفارت کاری پر نگاہ ڈالیں تو سر جھک جاتا ہے جرمنی دنیا میں پاکستان کا چوتھا اور یورپی یونین میں سب سے بڑا تجارتی شراکت دار ہے۔ نیز یہ کہ پاکستان کو جی ایس پی پلس کا درجہ دلوانے اور گرے لسٹ سے نکلوانے میں جرمنی کا کردار نمایاں رہا ہے۔

اس لحاظ سے یہ بات سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں ہونی چاہیے کہ جرمنی کے ساتھ تعلقات قائم رکھنا اور مزید مضبوط تر بنانا پاکستان کے کتنے مفاد میں ہے۔ بد قسمتی سے کوئی حکومت اور ادارہ اس کی اہمیت نہ جان سکا۔ سابق وزیر اعظم نواز شریف کے نومبر 2014 کے بعد سے کسی پاکستانی وزیر اعظم نے جرمنی کا سرکاری دورہ نہیں کیا۔ عالمی فورمز پر سرسری ملاقاتیں ضرور ہوتی رہی ہیں لیکن باضابطہ پاکستانی وزیر اعظم کے دورہ جرمنی کو 9 سال کا عرصہ ہو رہا ہے۔

یہی صورتحال وزارت خارجہ کی ہے۔ 8 سال بعد تیرہ اپریل 2021 کو شاہ محمود قریشی نے جرمنی کا دورہ کیا تھا جو ستر سالہ سفارتی تقریبات کا رسمی دورہ تھا۔ اس سے پہلے حنا ربانی نے باضابطہ دورہ جرمنی 2012 میں کیا تھا۔ اکتوبر 2022 میں بلاول بھٹو زرداری نے دورہ کیا تھا۔ گویا 12 سالوں میں صرف تین بار پاکستانی وزرائے خارجہ نے جرمنی کا دورہ کیا۔ سالوں سالوں تک پاکستانی سرکاری اہلکار جرمنی جانے کا نام ہی نہیں لیتے۔ سابق وزیر اعظم عمران خان کا ایک شیڈول دورہ جرمنی تھا لیکن منسوخ ہو گیا تھا۔ بعد میں سننے کو آیا تھا کہ موصوف نے بھارت کے مساوی پروٹوکول اور معاہدوں کی شرط رکھ دی تھی۔ ماضی میں کبھی کسی جرمن چانسلر نے پاکستان کا دورہ کیا؟

ایسی سفارتی کوتاہیوں اور غفلتوں کا نتیجہ پاکستانیوں اور طلباء کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ سینکڑوں مسائل سفارت خانوں میں موجود ہیں لیکن حل نہیں ہو رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گزشتہ سال پاکستانیوں کو برلن میں جرمن وزارت خارجہ کے دفتر کے سامنے احتجاجی بینرز کے ساتھ احتجاج کرنا پڑا تھا۔ جرمنی کو مختلف شعبوں میں سالانہ چار لاکھ ہنر مند کاریگروں کی ضرورت ہے، اس حوالے سے کوئی منظم منصوبہ بندی حکومت پاکستان کی طرف سے سامنے نہیں آئی۔

دوسری طرف جرمنی نے پاکستان کو کتنے مواقع فراہم کیے تھے، یہ دستاویزات اور میڈیا ذرائع سے پتہ چل جاتا ہے۔ سابق حکومت کے دور میں جرمن چانسلر انجیلا میرکل نے اکتوبر 2018 میں ٹیلی فون پر اور پھر سویٹزرلینڈ میں اکنامک فورم میں ملاقات پر عمران خان کو دورہ جرمنی کی دعوت دی تھی لیکن اس کو سنجیدگی سے نہیں لیا گیا اور یوں سفارت کاری کے مواقع ضائع کر دیئے گئے تھے۔

اب دوسری طرف پڑوس ملک بھارت کی سفارت کاری پر نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ وہ کیا کرتا پھر رہا ہے۔ گزشتہ سال بھارتی وزیر اعظم نے دو بار جرمنی کا دورہ کیا اور ایک بار جرمن چانسلر کے ساتھ انڈونیشیا میں جی 20 کانفرنس میں سفارتی پینگیں بڑھائیں، یوں ایک سال میں تین جرمن چانسلر سے ملاقاتیں کیں۔ اس سے پہلے سابق جرمن چانسلر انجیلا میرکل نے کم و بیش تین بار بھاری وفود کے ساتھ بھارت کے سرکاری دورے کیے اور معاہدے کیے تھے۔

جرمن کمپنیوں کے سربراہان ان کے ساتھ تھے۔ فروری 2023 میں جرمن چانسلر OlafScholz اولاف شولس نے جرمنی کمپنیوں کے چیف ایگزیکٹیوز کے ساتھ بھارت کا اپنا پہلا دوروزہ دورہ کیا، معاہدے کیے اور بنگلور میں آئی ٹی کے بھارتی طلباء کے ویزوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنے کا اعلان کیا ہے۔ اس وقت تیس ہزار بھارتی طلباء جرمنی میں زیر تعلیم ہیں جو یورپ میں سب سے بڑی تعداد ہے۔ جی 20 ممالک کی میزبانی اس وقت بھارت کے پاس ہے اور ستمبر میں نئی دہلی میں سربراہی کانفرنس منعقد ہونی ہے جس میں جی ٹونٹی ممالک سربراہان شریک ہوں گے۔

ان میں یورپین یونین کی سربراہ کے علاوہ ارجنٹائن، چین، فرانس، جرمنی، انڈونیشیا، سعودی عرب، جنوبی افریقہ، امریکہ، ترکی، جنوبی کوریا کے سربراہان شامل ہیں۔ اس کانفرنس کی تیاری کے لئے انہی ممالک کے وزرائے خارجہ اور خزانہ کی میٹنگز آگے پیچھے گزشتہ ہفتوں نئی دہلی میں منعقد ہوئی ہیں۔ یہ جی ٹونٹی ممالک مشترکہ طور پر عالمی اقتصادی پیداوار کے 85 کے مالک ہیں اور دنیا کی دو تہائی آبادی انہی ممالک میں آباد ہے۔ اسی ایک عالمی طاقتور گروپ میں سفارت کاری سے بھارت کیا فوائد حاصل کرنا چاہتا ہے، اس کا اندازہ لگانا بالکل مشکل نہیں۔

بھارت کی یہی وہ سفارت کاری ہے جس نے مقبوضہ کشمیر پر 5 اگست 2019 کو شب خون مار کر اس کی خصوصی حیثیت ختم کرنے کا حوصلہ دیا تھا۔ ان حالات میں پاکستان کو جذبات کا لبادہ اتار کر حقیقت پسندی کی دنیا میں واپس لوٹنا ہو گا۔ موجودہ پاکستانی وزیر خارجہ یو این او میں اظہار خیال کے ملنے والے مواقع مسلسل ضائع کرتے جا رہے ہیں۔ ان کو اپنے گھر کی بات کرنی چاہیے۔ اپنے معاشی و اقتصادی مسائل کا حل سوچنا چاہیے اور مسلسل لابنگ اور سفارت کاری کرنی چاہیے جیسا کہ باقی اسلامی ممالک کر رہے ہیں۔ گنتی کے چند اسلامی ممالک کے علاوہ کسی بڑی عالمی طاقت راہنما نے کب پاکستان کا دورہ کیا ہے؟

امن چاہتے ہیں، ہم امن چاہتے ہیں
نفرت نہیں، ہم محبت چاہتے ہیں
پیار کے لیئے پیدا ہوئے ہیں ہم
امن چاہتے ہیں، محبت چاہتے ہیں
یہ زمیں یہ آسماں سبھی کے ایک ہیں
ہم اک آسماں تلے سبھی ایک ہیں
ملک مختلف، قبائل ورنگ مختلف
پھر بھی اس دنیا میں سبھی ایک ہیں
دشمنی نہیں، ہم پیار چاہتے ہیں
امن چاہتے ہیں، امن چاہتے ہیں
محبت و امن کے لیئے زندہ ہیں ہم
*جنگ نہیں، امن کا نعرہ چاہتے ہیں
گرچہ ہم پاس نہیں، دور ہیں
پھر بھی ایک ہیں، محبت چاہتے ہیں
نفرت نہیں، ہم محبت چاہتے ہیں

صدائے کوچہءِ جاناں کہ جاگ کر دیکھیں
بُھلا کے گردشِ حالات۔ جاگ کر دیکھیں
جَلا کے خونِ جگر سے شب اشکوں کے دیئے
شمع، پروانے کی ملاقات جاگ کر دیکھیں
سُنا ھے اُسکا گُزر بھی یہیں سے ہوتا ہے
شائد ھو جائے ملاقات جاگ کر دیکھیں
ستم رسیدہ سے لوگوں کے سب سوالوں کے
جو بھی مل جائیں جوابات جاگ کر دیکھیں
علاجِ دردِ شبِ غم میں اُسکو عجیب ملکہ ہے
تو اُس مسیحا کی کرامات جاگ کر دیکھیں
سُنا ہے اُسکو رت جگوں سے کمال نسبت ہے
تو رت جگوں کے عجائبات جاگ کر دیکھیں
زخم بھر جائیں گے یا اور بھی گہرے ہوں گے
جو بھی ہو صورتِ حالات جاگ کر دیکھیں
فراش سینہءِ شب کی گداز باہوں میں
بچھا کے بسترِ مُناجات، جاگ کر دیکھیں
کسے گُمان تھا دشتِ سفر میں وقتِ مرگ
ایسی ہو جائے گی حیات جاگ کر دیکھیں

جج کا متعصب ہونا

(مکرم پروفیسر ساجد علی صاحب کی فیس بک وال سے)

انگریزی زبان کا ایک مشہور اور کثیر الاستعمال لفظ prejudice ہے۔ یہ لفظ برطانوی فلسفی اور انشا پرداز فرانسس بیکن نے وضع کیا تھا۔ یہ اصلا دو لفظوں کا مرکب ہے، pre اور judice ۔ ایک جج کی منصبی ذمہ داری ہے کہ وہ مقدمہ کے دونوں فریقوں کی بات سننے کے بعد نتیجہ پر پہنچے کہ کس فریق کا دعویٰ درست ہے اور کس کا غلط۔ لیکن اگر جج فریقین کو سنے بغیر پہلے ہی کسی ایک فریق کے حق میں اپنا ذہن بنا لے تو کہا جائے گا کہ وہ جج (prejudiced) ہے۔ یعنی جو جج پہلے ہی اپنی رائے بنا چکا ہو وہ مقدمہ سننے کا اہل نہیں رہتا کیونکہ وہ غیر جانب دار نہیں ہو گا۔

ججوں کے اس کھلم کھلا تعصب کی ایک مثال ذہن میں آ رہی ہے۔ جب جنرل ضیاء الحق نے ملک میں شریعت کا نفاذ شروع کیا تو ایک وفاقی شرعی عدالت بھی قائم کی گئی۔ اس عدالت کا پہلا ہی فیصلہ سخت متنازعہ ثابت ہوا۔ عدالت نے چار ایک کی اکثریت سے رجم کو اسلامی سزا تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس پر ملک بھر کے مولویوں نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ جماعت اسلامی کے ملک غلام علی صاحب نے رسالہ ترجمان القرآن میں اس فیصلہ کو ہدف تنقید بنایا۔ مولانا تقی عثمانی صاحب نے بھی اپنے رسالہ میں اس فیصلہ پر تنقید کی۔ پیر کرم شاہ صاحب کے متعلق یاد نہیں کہ انھوں نے اس پر کچھ لکھا تھا یا نہیں۔ بہر حال مولویوں کے ہنگامہ سے ڈر کر حکومت نے وفاقی عدالت کے ان چار ججوں کو برطرف کر دیا اور عدالت کی تشکیل نو کی گئی جس میں ملک غلام علی، مولانا تقی عثمانی اور پیر کرم شاہ الازہری کو بھی جج تعینات کر دیا گیا۔ اب اس نئے تشکیل شدہ بنچ نے رجم والے فیصلے کے خلاف اپیلوں کی سماعت کی۔ اب بنچ میں شامل دو یا تین مذہبی عالم جج اس فیصلے پر اپنی رائے پہلے ہی بیان کر چکے تھے۔ اخلاقی اور قانونی طور پر ان جج صاحبان کو اپیل کی سماعت نہیں کرنا چاہیے تھی۔ یعنی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ prejudiced تھے۔ چنانچہ ان کے بارے میں پہلے سے معلوم تھا کہ ان کا فیصلہ کیا ہو گا اور فیصلہ بھی توقع کے عین مطابق تھا۔

پاکستان میں کتنے فیصد غدار بستے ہیں؟

(از الم نگار۔ بشکریہ ہم سب مورخہ 5 مارچ 2023)

آج وزیر خزانہ اسحاق ڈار صاحب نے ایک پریس کانفرنس طلب فرمائی۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ خطاب فرمایا۔ وہ بے تکان بولتے رہے۔ اور اتنا تیز تیز بول رہے تھے کہ بیچ میں سانس لینے کا موقع بھی نہیں مل رہا تھا۔ اس پریس کانفرنس کے شروع ہونے سے قبل یہ خیال کیا جا رہا تھا کہ وہ ملک کو موجودہ معاشی بحران سے نکالنے کے لئے کوئی نسخہ تجویز فرمائیں گے لیکن انہوں نے شروع میں ہی واضح فرما دیا کہ اس کانفرنس کا مقصد عمران نیازی صاحب کو آئینہ دکھانا ہے۔ اس وقت عمران خان صاحب فارغ نہیں بیٹھے تھے۔ انہوں نے یہ بیان دیا کہ پاک آرمی کے سابق سربراہ جنرل قمر جاوید باجوہ صاحب کا کورٹ مارشل کر دینا چاہیے۔

اس مقصد کے لئے کسی پریس کانفرنس بلانے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ پاکستان کے عوام جانتے ہیں کہ حکومت کسی کی بھی ہو، اس دوران جب کوئی مسئلہ پیدا ہوتا ہے اس کی ذمہ دار گزشتہ حکومت ہوتی ہے۔ اور موجودہ حکومت گزشتہ حکومت کو آئینہ دکھاتی ہے۔ اس کے بعد جوتم پیزار کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہ سلسلہ تو پہلے سے چل رہا تھا۔ اب ہم نے اور بھی ترقی کر لی ہے۔ بہت فراخدلی سے ایک دوسرے پر غداری کے الزامات لگائے جا رہے ہیں۔ شاید ہی کوئی بدقسمت نمایاں سیاستدان ہو جو اس الزام کی زد سے محفوظ رہ گیا ہو۔ اور جو احباب اس الزام سے محفوظ رہ گئے ہیں، انہیں اپنی فکر کرنی چاہیے کہ ان کے مدمقابل انہیں غیر اہم سمجھ کر نظر انداز کیوں کر رہے ہیں؟

پاکستان کے آئین کے تحت سب سے بڑے عہدے صدر مملکت اور وزیر اعظم کے ہوتے ہیں۔ جب موجودہ حکومت کا دور شروع ہوا تو چند ہی روز بعد یہ خبریں شائع ہونی شروع ہو گئیں کہ وزارت داخلہ اور وزارت قانون مل کر ایک ریفرنس تیار کر رہی ہیں جس کے تحت صدر مملکت عارف علوی صاحب، سابق وزیر اعظم عمران خان صاحب، ڈپٹی سپیکر قاسم سوری صاحب اور گورنر پنجاب عمر سرفراز چیمہ صاحب پر آرٹیکل 6 کے تحت غداری کا مقدمہ بنایا جائے گا۔ کیونکہ انہوں نے تحریک عدم اعتماد اور حمزہ شہباز صاحب کے وزیر اعلیٰ بننے کی راہ میں روڑے اٹکائے تھے۔

(پاکستان ٹوڈے 29 اپریل 2022)

جولائی 2022 آیا تو سینٹ میں سینیٹر افنان اللہ خان صاحب نے ایک قرارداد پیش کی جس میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی

صدر عارف علوی صاحب اور قاسم سوری کے علاوہ سابق وفاقی وزیر اطلاعات فواد چوہدری صاحب پر بھی آرٹیکل 6 کے تحت سنگین غداری کے مقدمہ کی کارروائی شروع کی جائے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ چونکہ اب صدر مملکت پر غداری کا الزام لگ گیا ہے، اس لئے اب یہی مناسب ہے کہ وہ اپنا عہدہ چھوڑ کر گھر چلے جائیں۔(ڈیلی پاکستان 15 جولائی 2022)۔ چونکہ پہلے تحریک انصاف کے راہنما یہ الزام اسی فراخدلی سے اپنے سیاسی مخالفین پر لگاتے رہے تھے، اس صورت حال میں 5 اپریل کو روزنامہ ڈان نے ایک اداریہ شائع کیا جس کا عنوان تھا "غدار بمقابلہ غدار"۔

یہ خیال نہ کریں کہ یہ الزام ڈپٹی سپیکر صاحب پر لگا تو سپیکر صاحب محفوظ رہ گئے ہوں گے۔ وہ اس سے بھی قبل اس الزام کی زد میں آچکے تھے۔ جب انہوں نے تحریک عدم اعتماد پیش ہونے کے بعد مقررہ مدت میں قومی اسمبلی کا اجلاس طلب نہیں کیا تو اس وقت کی اپوزیشن نے یہ بیان جاری کیا تھا کہ سپیکر قومی اسمبلی اسد قیصر صاحب غداری کے مرتکب ہوئے ہیں چنانچہ انہیں آئین کے آرٹیکل 6 کے تحت سزا دینے چاہیے۔(ایکسپریس ٹریبیون 20 مارچ 2022)۔ واضح رہے کہ 1973 میں بنائے گئے قانون کے مطابق سنگین غداری کی سزا عمر قید یا موت ہے۔

موجودہ حالات میں وزیر خزانہ کی ایک خاص اہمیت ہے۔ اس لئے سابق وزیر خزانہ شوکت ترین صاحب کیسے بخشے جاتے؟ گزشتہ ماہ یہ خبر شائع ہوئی کہ ایف آئی اے لیک ہونے والی آڈیو کی بنیاد پر سابق وزیر خزانہ کے خلاف غداری کا مقدمہ چلانے پر کام کر رہی ہے۔(دی نیوز 17 فروری 2023)

اب ایسا بھی نہیں کہ سابق وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی صاحب بالکل ہی غیر اہم سمجھے گئے ہوں اور ان پر غداری کا الزام نہ لگا ہو۔ وہ 2014 میں ہی اس الزام سے فیض یاب ہو گئے تھے۔ چنانچہ اگست 2014 میں ایک شخص نے ہائی کورٹ میں درخواست دی تھی کہ عمران خان صاحب اور شاہ محمود قریشی صاحب نے عدلیہ کے خلاف بیانات دیے ہیں چنانچہ ان کے خلاف غداری کے مقدمہ کی کارروائی کی جائے۔(ٹریبیون 5 اگست 2014)

یہ سلسلہ صرف تحریک انصاف تک محدود نہیں۔ انہیں بھی جب موقع ملا انہوں نے بھی اپنے مخالفین پر دل کھول کر غداری کے فتوے لگائے۔ گزشتہ سال پنجاب اسمبلی میں یہ قرارداد منظور کی گئی کہ چونکہ وزیر اعظم شہباز شریف صاحب نے لندن میں اپنے بھائی نواز شریف صاحب کو ریاستی رازوں میں شریک کیا ہے، اس لئے ان پر غداری کا مقدمہ چلایا جائے۔(ایکسپریس ٹریبیون 19 ستمبر 2022)۔ اپنی وزارت عظمیٰ کے دوران عمران خان صاحب نے یہ بیان دیا تھا کہ ایجنسیوں کے پاس اس بات کے ثبوت ہیں کہ نواز شریف صاحب کے بھارت سے روابط ہیں اور انہوں نے نریندر مودی

صاحب کے اکسانے پر ملک کی عسکری قیادت کے خلاف بیان دے کر سنگین غداری کی ہے۔(ایکسپریس ٹریبیون 12 نومبر 2020)۔ اسی طرح نیب نے یہ الزام لگایا تھا کہ مریم نواز صاحبہ قومی اداروں کے خلاف جس طرح کے بیانات دے رہی ہیں، وہ سنگین غداری کے زمرے میں آتے ہیں۔(ایکسپریس ٹریبیون 17 مارچ 2021)

پیپلز پارٹی کے قائدین پر بھی غداری کے الزامات لگتے رہے۔ چنانچہ ایک وکیل نے سابق صدر آصف علی زرداری صاحب پر لاہور ہائی کورٹ میں مقدمہ کر دیا تھا کہ وہ عسکری قیادت کے خلاف بیانات دے کر غداری کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اور اس مقدمہ کی سماعت بھی ہوئی۔(ایکسپریس ٹریبیون 18 نومبر 2016) اسی طرح پولیس نے سابق وزیر اعظم شاہد خاقان عباسی صاحب پر بھی یہ الزام لگایا گیا اور پولیس نے اس پر کارروائی بھی شروع کی۔(گندھارا 6 اکتوبر 2020) جب عمران خان صاحب نے اپنی توپوں کا رخ جنرل قمر جاوید باجوہ صاحب کی طرف کیا تو شاہد خاقان عباسی صاحب نے مشورہ دیا کہ وہ آرمی کے سابق سربراہ کے خلاف آئین کی خلاف ورزی کے الزامات لگا رہے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ عدالت میں ان کے خلاف غداری کا مقدمہ قائم کر دیں۔(پاکستان ٹوڈے 11 فروری 2023)

اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ سابق صدر مشرف صاحب پر بھی ایک ہائی کورٹ میں سنگین غداری کا مقدمہ چلایا گیا تھا اور انہیں سزائے موت بھی سنائی گئی تھی جو بعد میں منسوخ کر دی گئی۔

اس قسم کے الزامات صرف سیاستدانوں تک محدود نہیں ہیں۔ 1973 میں پاکستان کا موجودہ آئین نافذ ہوا۔ اور 1974 میں آئین میں دوسری ترمیم کے ذریعہ آئین اور قانون کی اغراض کے لئے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔ اس کے بعد سے اب تک بار بار مذہبی جماعتوں کی طرف سے یہ بیانات جاری کیے جاتے ہیں کہ چونکہ احمدیوں نے اس ترمیم کو قبول نہیں کیا، اس لئے وہ آئین کے غدار ہیں۔ اور کئی دہائیوں سے یہ بیانات ملک کے اخبارات میں شائع ہو رہے ہیں۔ اور اب غدار سازی کی صنعت نے اتنی ترقی کر لی ہے شاید ہی کوئی نمایاں شخصیت اس کی لپیٹ سے محفوظ رہی ہو۔

میری ناقص رائے میں اب اس بات کی ضرورت ہے کہ ہر اختلاف پر مدمقابل کو ہراساں اور پریشان کرنے کے لئے فوری طور پر سنگین غداری کا مجرم قرار دینے کی روایت کو سختی سے کچلنا ضروری ہے۔ اس صورت حال میں ہم دنیا بھر میں اپنا تماشا خود بنا رہے ہیں۔ اگر تمام خبروں کا کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو شاید یہی نتیجہ نکلے کہ یہ دنیا کا وہ واحد ملک جس کی اکثریت غداروں پر مشتمل ہے۔ اس روش سے عالمی منظر پر پاکستان کی کیا عزت افزائی ہو رہی ہے۔ اس کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔

غزل

از مکرم منیر احمد باجوہ صاحب

دل جیت کے دلبر کا تیروں سے نگاہوں کے
اُسے دل میں بسا لینا اک بار ہی کافی ہے
بیکار سی الفت کا سو بار کیا کرنا
ہو دل سے اگر کرنا اک بار ہی کافی ہے
محبوب ہزاروں ہوں محبوب نہیں ہوتے
اک دل میں سما لینا اک بار ہی کافی ہے
یہ جان دلِ غافل شاہکار ہے قدرت کا
ہر دن نہ لُٹا دینا اک بار ہی کافی ہے
سو بار بدل لو راہ منزل نہ کبھی بدلو
دل قدموں میں رکھ دینا اک بار ہی کافی ہے
سو بار نظر اُٹھے سو بار حُسن اُس کا
نظروں میں سجا لینا اک بار ہی کافی ہے
اَن گِنت تیری کاوش منیرؔ نہ رنگ لائے
ہاں اُس کا کرم کرنا اک بار ہی کافی ہے

غزل

از قاصد شریف۔بحوالہ المنار فروری 1953

جب شرابِ عشق سے مخمور ہو جاتا ہے دِل
حاملِ اسرارِ بزمِ طُور ہو جاتا ہے دِل
آگہی میں رشکِ شیر ازیؒ و سعدیؒ و جنیدؒ
بے خودی میں غیرتِ منصور ہو جاتا ہے دِل
حسن کو بھی کچھ نہ کچھ محسوس ہوتا ہے ضرور
رازدارِ خاص جب رنجور ہو جاتا ہے دِل
یاد آجاتی ہے جب حُسنِ تبسم کی بہار
اس بہارِ رنگ و بُو سے دور ہو جاتا ہے دِل
شب کی تنہائی میں اکثر کہکشاں کی چھاؤں میں
مختلف جذبات سے معمور ہو جاتا ہے دِل
کچھ نہ پوچھ اے ہم نشیں! وہ عالمِ بیچارگی
اپنی منزل سے کبھی جب دُور ہو جاتا ہے دِل
یہ وُہ نازک آبگینہ ہے کہ اے قاصدؔ جسے
ٹھیس لگ جاتی ہے جس دم چُور ہو جاتا ہے دِل

ایف آئی آر درج کیوں نہیں ہوتی؟

(نعیم احمد باجوہ، بشکریہ "مکالمہ" مورخہ 15 فروری 2023)

پاکستان کے سابق وزیر اعظم عمران خان صاحب پر تین نومبر 2022 کو وزیر آباد میں قاتلانہ حملہ ہوا۔ اس حملہ کی ایف۔ آئی۔ آر یعنی فرسٹ انویسٹی گیشن رپورٹ درج کروانے کے لئے کیا کیا نہ پاپڑ بیلے گئے۔ تمام تر اثر و رسوخ کے باوجود پی ٹی آئی کی قیادت اپنی مرضی کے ملزم نامزد کرنے کی خواہش لئے تھانے کے چکر لگاتی رہی۔ بالآخر ایک پولیس اہل کار یعنی سرکاری ملازم کی مدعیت میں ایف آئی آر درج ہوئی جو پی ٹی آئی قیادت کے لئے قابل قبول نہیں تھی۔

پھر صحافی ارشد شریف صاحب ہیں جنہیں 23 اکتوبر 2022 کو کینیا میں شہید کر دیا گیا۔ ارشد شریف کے قتل کی ایف آئی آر بھی حسب منشاء درج نہ ہو سکی۔ بالآخر ریاستی نمائندگی میں اس کا اندراج کر کے "مٹی پاؤ" پالیسی پر عمل دہرایا گیا۔ یہ صرف سال دو ہزار بائیس کے آخر میں عالمی سطح پر شہرت پانے والے دو مقدمات کا احوال ہے۔

جہاں ایک سابق وزیر اعظم پاکستان کو اقدام قتل کی ایف آئی آر سسٹم کی منشاء کے خلاف درج کروانا مشکل ہے۔ جہاں ایک عالمی شہرت یافتہ صحافی کے قتل کے مقدمہ کا اندراج تمام تر کوشش کے باوجود ایک ناممکن عمل کی طرح ہو۔ وہاں معاشرے میں اچھوت سمجھے جانے والے غریبوں، بے کسوں، مفلوک الحال، لاچار لوگوں اور اقلیتوں کی کیا اوقات ہے۔ انہیں مقدمات کے اندراج میں کتنے پہاڑ سر کرنا پڑتے ہیں۔ کن خار دار رستوں پر ننگے پاؤں چلنا پڑتا ہے اس کا اندزاہ صرف ایسے حالات سے گزرنے والے ہی کر سکتے ہیں۔ بالآخر "صاحب" کی مرضی کی ایف آئی آر درج کروانے کے بعد لولے لنگڑے انصاف کے حصول کے لئے سالوں انتظار میں لگ جاتے ہیں۔ ایف آئی آر کیس بھی مقدمہ میں خشت اول کی حیثیت رکھتی ہے۔ جب اس کے اندراج میں روڑے اٹکائے جائیں، اسے مشکوک اور کمزور کر دیا جائے تو جج ملزم کو شک کا فائدہ دینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

جس نہج پر یہ رپورٹ درج کی جاتی ہے اس سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ آگے چل کر انصاف کا حصول کیسا ہو گا۔

کوٹ کچہریوں کے چکر، بدقماش لوگوں سے واسطہ، انسانی ہمدردی سے عاری گدھوں کی طرح قدم قدم پر نوچنے کے لئے کئی تیار انسان نما بھیڑیئے ہر موڑ پر ملتے جائیں گے۔ وہ جن کے لئے کوئی معصوم اور متاثرہ فریق نہیں صرف ایک "سائل" ہے۔ اور سائل روزانہ چائے پانی، فوٹو کاپی، نقل، اشٹام پیپرز، سمن، لفافہ، جج، وکیل، منشی، روبکار، مچلکہ، فیس، ضمانت اور اس طرح کی بے شمار دیگر اصلاحات سے کا سامان کرتے کرتے تھک جاتا ہے۔

ایک بات ضرور ہے انصاف گیا بھاڑ میں، مگر مقدمہ کے آخر تک ایک دیہاتی بھی تمام تر کارروائی سے گزرنے کے بعد صاحب تجربہ اور "پڑھا لکھا" ضرور لگنے لگتا ہے۔ اور اگلی دفعہ کے لئے بہتر طور پر تیار بھی۔ اگلا مقدمہ کوئی مذاق نہیں حقیقت ہے۔ خاص طور پر جب بعض طبقات کو منظم طور پر نشانہ بنایا جا رہا ہو۔

اسی تسلسل میں ایک "صاحب بہادر" کا بیان سن لیجئے۔ ایک جگہ احمدی برادری کی طرف سے قبروں کی بے حرمتی کی ایف آئی آر درج کروانے کی کوشش کی گئی تو کہا گیا "چھڈو جی جان دیو۔ اگلی واری ویکھاں گے"۔ گویا اب کے جو ہوا وہ جرم نہیں تھا۔ اور اگر اس بار ہونے والی حرکت جرم نہیں تو اگلی بار ہونے والا عمل کیسے جرم قرار پائے گا؟ یہ پنجاب ہے۔

محترمہ زہرہ یوسف سابق چیئر پرسن ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (HRCP) اپنے ایک حالیہ انٹرویو میں احمدیوں کے قبرستان اور عبادت گاہوں پر منظم حملوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتی ہیں:

"ان کے قبرستان تک پر حملہ ہوتا ہے اور بہت سے تو ایسے بھی کیسز سامنے آئے ہیں خاص طور پر پنجاب میں جہاں پولیس بھی شامل رہی ہے۔ بلکہ پولیس نے لیڈ کیا ہے حملہ آوروں کو۔ ان کی عبادت گاہوں کے اٹیک میں ان کے قبرستانوں کے اٹیک میں۔ تو ان کے لئے سمجھ لیجئے پاکستان میں اب جگہ نہیں ہے، بچی نہیں ہے ان کے جینے کے لئے۔ بہت ہی افسوس ناک صورت حال ہے۔"

اس انٹرویو کی روشنی میں "چھڈو جی جان دیو۔ اگلی واری ویکھاں گے" کی بلاغت بھی پوری طرح ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ گزشتہ دنوں میں منظم طور پر احمدیوں کے قبرستانوں اور عبادت گاہوں پر ہونے والے حملوں میں سے کتنی ایف آئی آرز درج ہو چکی ہیں اور کتنے ملزمان گرفتار ہوئے۔ اعداد و شمار تکلیف دہ ہیں۔ ہاں مگر پاکستان میں اقلیتیں محفوظ اور انہیں مکمل مذہبی آزادی حاصل ہے۔

جب ہمارا نظام انصاف دنیا بھر میں ایک سو چالیس میں سے ایک سو انتیسویں نمبر پر شمار کیا جاتا ہے تو ہمیں اچھا نہیں

لگتا۔ بلکہ چیف جسٹس کی سربراہی میں کام کرنے والے ادارے لاء اینڈ جسٹس کمیشن آف پاکستان تو ورلڈ جسٹس پراجیکٹ کو خط بھی لکھ دیتے ہیں:

’’پاکستان کی عدلیہ کی عالمی رینکنگ رپورٹ مفروضوں پر مبنی ہے اور رول آف لاء انڈیکس 2021 میں کئی دیگر خامیاں بھی ہیں۔‘‘

اس کے جواب میں ورلڈ جسٹس پراجیکٹ کے رول آف لا انڈیکس کی کوڈائریکٹر ایلیشیا ایوانجیلائڈز کہتی ہیں ’’پاکستان کے اعتراض کے باوجود مستقبل میں بھی رول آف لا انڈیکس کی تیاری کا طریق کار تبدیل نہیں ہو گا۔‘‘

کیونکہ انڈیکس صرف عدلیہ کی کارکردگی کا جائزہ نہیں لیتا بلکہ یہ ہر ملک میں قانون کی حکمرانی کا جائزہ لیتا ہے جس میں صرف عدلیہ ہی نہیں دیگر ادارے بھی شامل ہوتے ہیں۔

ہمارے ہاں جب تک ایف آئی آر میں رکاوٹ بننے والے صاحب بہادر موجود ہیں۔ جو متاثرین کو اس قدر مجبور کر دیتے ہیں کہ ایف آئی آرز صاحب کی مرضی کی لکھی جائے گی۔ بھول جائیں کہ آپ کے نظام انصاف کی سمت درست ہو گی اور دنیا آپ کو عزت کی نظر سے دیکھے گی۔

؎ خشت اول گر نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

مسلمانوں کی پہلی ہجرت

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ انتخاب جزیرہ نمائے عرب سے باہر دوسرے براعظم افریقہ کے ملک حبشہ پر اٹھی۔ اگرچہ اس ملک کا بھی سرکاری مذہب عیسائیت تھی، مگر وہاں کا حکمراں انصاف پسند تھا۔ عرب اور حبشہ کے درمیان سمندر حائل تھا، وہاں سے مہاجرین کو واپس لانا قدرے آسان نہ تھا۔ چنانچہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

’’لو خرجتم الی الارض الحبشۃ فان فیہا ملکا لا یظلم عندہ احد وہی ارض صدق حتی یجعل اللہ لکم خرجا مما انتم فیہ‘‘

(تم لوگ سرزمین حبشہ کو نکل جاؤ، وہاں کا بادشاہ ایسا انصاف پسند ہے کہ اس کے یہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا، وہ سچائی کی سرزمین ہے، تا آنکہ اللہ تعالیٰ تم کو ان مصیبتوں سے نجات دے جن میں آج تم گھرے ہوئے ہو)

http://darululoom-deoband.com/urdu/articles/tmp/1417494556%2002-Hijrat%20Habsha%20Muslmi_MDU_02_FEB_2008.htm

کیا آملیٹ کو دوبارہ انڈہ بنایا جا سکتا ہے؟

(وسعت اللہ خان کا کالم 'بات سے بات'۔12 فروری 2023۔بشکریہ بی بی سی)

ننکانہ صاحب میں توہینِ مذہب کے الزام میں ہجوم کے ہاتھوں سزائے موت پانے والا محمد وارث محض ہندسہ نمبر نوے ہے۔ پاکستان بننے کے بعد سے آج تک 72 مرد اور 18 عورتیں توہینِ مذہب کے نام پر بر سرِ عام مارے گئے ہیں۔ 1312 مردوں اور 107 خواتین پر توہینِ مذہب کے الزامات لگے۔ ان میں سے نوے فیصد ملزم مسلمان جبکہ الزام لگانے والے سو فیصد مسلمان تھے۔

اگر ان وارداتوں میں عقیدے کے اختلاف پر بم سے اڑانے یا بسوں کو روک کے مسافروں کو اجتماعی طور پر قتل کرنے یا بھرے اجتماع پر فائرنگ اور ٹارگٹ کلنگز کے سینکڑوں واقعات کو بھی جوڑ لیا جائے تو پھر 'اچھے مسلمانوں' کے ہاتھوں 'برے مسلمانوں اور مشرکوں' کی اموات کی تعداد ہزاروں میں پہنچتی ہے۔ توہینِ مذہب کے جو انفرادی ملزم نہیں مارے گئے وہ یا تو جیل میں خود پر لگائے الزامات کی انصافی چھان بیان کے آسرے میں برسوں سے سڑ رہے ہیں، یا بے گناہ ثابت ہونے کے باوجود روپوش ہیں یا پھر ملک چھوڑ گئے ہیں۔ اب تو بدعقیدگی کے تعاقب کا دائرہ سکڑنے کے بجائے اور وسیع ہو گیا ہے۔

17 جنوری کو قومی اسمبلی نے کرمنل ایکٹ مجریہ 2021 میں ترمیم کر کے امہات المومنین، اہلِ بیت، صحابہ اور چاروں خلفائے راشدین کے لیے بلاواسطہ یا بالواسطہ توہین آمیز کلمات ادا کرنے کی سزا تین برس سے بڑھا کے دس برس کر دی ہے۔ مگر انسانی حقوق کے وفاقی وزیرِ ریاض حسین پیرزادہ نے وزیرِ اعظم سے مطالبہ کیا ہے کہ یہ ترمیم غیر آئینی طریقے سے منظور کی گئی ہے لہذا اسے واپس لیا جائے۔ بقول منتری جی جب یہ ترمیمی بل ایوان میں پیش کیا گیا تو اس وقت وہاں صرف 15 ارکانِ اسمبلی موجود تھے۔ کورم پورا نہ ہونے کے باوجود یہ بل منظور قرار دے دیا گیا جو قانونی طور پر ایک ناقابلِ فہم اقدام ہے۔

اس وقت اگر ریاستی رٹ، بنیادی آئینی حقوق کے احترام، عدالتی نظام کی فعالیت کی دگرگوں صورت اور ہر گروہ کے دوسرے گروہ کے بارے میں خیالات کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے تو بہت کم پاکستانی شہری زندہ رہنے کا حق استعمال کرنے کے مجاز ہیں۔ وہ اب تک اگر زندہ ہیں تو اس میں ریاستی گورننس کا عنصر کم اور خوش قسمتی کا دخل زیادہ ہے۔

مثلاً 22 کروڑ کی آبادی میں سے دو پونے دو لاکھ احمدی اپنے ہی ہم وطن کم و بیش تمام مذہبی گروہوں کے لاکھوں نظریاتی حامیوں کے نزدیک سیدھے سیدھے واجب القتل ہیں۔ آج وہ اس ملک کی چار دیواری میں ویسے ہی زندہ ہیں جیسے 1930 کے عشرے کے جرمنی میں کنسنٹریشن کیمپوں کی تعمیر تک یہودی زندہ تھے یا جیسے پنجرے میں بند مرغیاں باری آنے تلک زندہ رہتی ہیں۔

احمدیوں یا ان کی عبادت گاہوں پر انفرادی و اجتماعی حملوں یا موت کی ابلاغی عمر مکمل بلیک آؤٹ سے لے کر محض چند گھنٹے تک ہے۔ احمدیوں کے مقابلے میں 30 لاکھ پاکستانی مسیحی اور 40 لاکھ ہندو نسبتاً محفوظ ہیں۔ ان کی جان سے زیادہ ان کی املاک مباح سمجھی جاتی ہیں۔ ہمیں اکثر یہ بھی سننے کو ملتا ہے کہ ان اقلیتوں سے تعلق رکھنے والی لڑکیاں تبدیلیِ مذہب میں لڑکوں کی نسبت زیادہ دلچسپی لیتی ہیں۔ اسی لیے ان لڑکیوں کی شادیاں بھی جھٹ سے ہو جاتی ہیں۔ اور ان شادیوں کو اکثریتی سماج، علماِ کرام، پولیس اور عدلیہ کا پورا پورا تحفظ و نیک تمنائیں بھی حاصل ہیں۔ کرسچن برادری سے جانی درگزر کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ چونکہ بین الاقوامی مالیاتی اداروں نیز ذرائع ابلاغ پر 'یہود و نصاری' کا زیادہ کنٹرول ہے لہذا خوفِ بدنامی کے ساتھ ساتھ ٹھوس اقتصادی تادیب کا بھی خدشہ سر پر لٹکا رہتا ہے۔ جبکہ ہندو اور سکھ برادری کو اس لیے جینے کا حق دینا مجبوری ہے کیونکہ انڈیا میں مسلمانوں کے خلاف اس کا وسیع ردِ عمل ہو سکتا ہے۔ ان انڈین مسلمانوں کی زندگی ویسے ہی پچھلی ایک دہائی سے ہر اعتبار سے اجیرن ہے۔

جو گروہ پاکستان کو شرک سے مکمل پاک خالص تصوراتی ریاست بنانا چاہتے ہیں ان کا بس چلے تو 20 فیصد شیعہ بھی اعشاریہ دو فیصد احمدیوں کی طرح واجب القتل ٹھہریں۔ مگر ایک تو اہلِ تشیع کی آبادی زیادہ ہے۔ دوم یہ کہ انھیں تکنیکی و فقہی اعتبار سے واجب القتل قرار دینا اور اس بابت اکثریت کو ہم نوا بنانا قدرے مشکل ہے۔

ساتھ ساتھ علاقائی نزاکتوں نیز ایران تا لبنان بننے والے ہلال کا بھی دھیان رہتا ہے۔ البتہ بڑے شہروں میں ٹارگٹ کلنگز اور کوئٹہ کے ہزارہ نژاد شیعہ پاکستانیوں کے خلاف مسلح و بارودی کارروائیوں کی شکل میں وقتاً فوقتاً یہ غصہ نکلتا رہتا ہے یا پھر کسی بڑے مسئلے سے توجہ ہٹانا ہو تو ایسی اقلیتوں کو بطور پنچنگ بیگ با آسانی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ جو مسلمان گروہ احمدیوں، اہلِ تشیع، مسیحی برادری اور ہندوؤں سے نفرت کرتے ہیں ان ہی گروہوں کو ان سے بھی زیادہ راسخ العقیدہ گروہ گمراہ سمجھ کے قابلِ گردن زدنی سمجھتے ہیں۔ جیسے طالبان پاکستانی اسٹیبلشمنٹ اور بہت سے سنی علما (بشمول دیوبندی علما) کو واجب القتل سمجھتے ہیں۔ داعش کے حامی گروہ طالبان کو اچھا مسلمان نہیں سمجھتے اور ان کا خون مباح قرار دیتے ہیں۔ داعش اور القاعدہ ایک دوسرے کو مشکوک مسلمان سمجھتے ہیں اور باہمی تاک میں رہتے ہیں۔ اور پھر یہ سب احمدیوں، اہلِ تشیع، بریلویوں اور یہود و نصاری کو ایک پلڑے میں رکھ دیتے ہیں۔ جب تک پاکستان مسلمانوں کی اکثریتی ریاست رہے گی۔ یہ مسائل کنڈلی والے سانپ کی طرح بھینچ بھینچ کے سانس اکھاڑتے رہیں گے۔

13 اگست 1947 تک یہ ایک مسلمان قوم کا خطہ تھا جسے 14 اگست کو ہی ایک پاکستانی قوم کا ملک بن جانا چاہیئے تھا۔ وہ موقع تو ہاتھ سے نکل گیا اور اس قوم کو ایک جدید ریاست میں ڈھالنے کے بجائے بہت محنت سے زہریلے ہجوم میں ڈھال دیا گیا۔ کیا ہجوم کو پھر سے ایسی قوم بنانا ممکن ہے جو اپنی اور دوسرے کی ہلاکت و شہادت سے زیادہ اپنی اور دوسرے کی زندگی کے حق کو سراہے؟

ہو سکتا ہے انڈے سے بنایا گیا آملیٹ پھر سے انڈہ بن سکے کوشش کرنے میں تو کوئی حرج نہیں

فنا کا بنا مسافر

(از غلام زہرا۔ بشکریہ نوائے وقت مورخہ 11 فروری 2023)
ghulamzahira@yahoo.com

کلاسک ڈرامہ وارث کے خالق اردو ادب کا معتبر حوالہ معروف شاعر اور ڈرامہ نویس امجد اسلام امجد 78 برس کی عمر میں لاہور میں وفات پا گئے اس خبر نے علمی و ادبی دنیا کو ایک دم سوگوار کر دیا۔ ہمارے میگزین کے ایڈیٹر خالد بہزاد ہاشمی جنہیں ادب شناس شاعری کا انسائیکلوپیڈیا کہتے ہیں، نے مجھے فوری طور پر ان کے فن اور شخصیت پر آرٹیکل لکھنے کی ذمہ داری سونپی جو میرے لئے بھی اعزاز ہے۔

1944 میں لاہور میں جنم لینے والے امجد اسلام امجد کا شمار پاکستان کے مشہور ادیبوں میں ہوتا تھا اور وہ 20 سے زیادہ کتابوں کے مصنف تھے۔ انھوں نے اپنے کریئر کا آغاز شعبہ تدریس سے کیا اور پنجاب یونیورسٹی سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ لاہور کے ایم اے او کالج کے شعبہ اردو سے منسلک رہے۔ 1975 میں پنجاب آرٹس کونسل کے قیام کے بعد امجد اسلام امجد کو اس ادارے کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا۔ وہ پاکستان ٹیلیویژن سے منسلک رہنے کے ساتھ ساتھ چلڈرن کمپلیکس کے پراجیکٹ ڈائریکٹر بھی رہے۔ اس کے بعد اردو سائنس بورڈ میں چیئرمین کے عہدے پر فائز ہوئے۔ 1975ء میں مشہور ٹی وی ڈرامے 'خواب جاگتے ہیں' لکھنے پر انہیں گریجویٹ ایوارڈ سے نوازا گیا۔ ڈرامہ 'وارث'، 'دن'، اور 'فشار' نے ان کو شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ ان کے کئی شعری مجموعے، تنقیدی مضامین کی کتاب 'تاثرات' اور چند عربی نظموں کے تراجم شائع ہو چکے ہیں جبکہ دیگر شعری مجموعوں میں بارش کی آواز، شام سرائے، اتنے خواب کہاں رکھوں، نزدیک، یہیں کہیں، ساتواں در، فشار، سحر آثار، محبت ایسا دریا ہے، برزخ، اس پار، پھر یوں ہوا، ذرا پھر سے کہنا، باتیں کرتے دن، رات سمندر میں، ہم اس کے ہیں (کلیات)، سپنوں سے بھری آنکھیں اور اسباب (حمد و نعت) ان کی عظمت کے آئینہ دار ہیں۔ نیز سفر نامے اور ڈرامے بھی اشاعت کے مراحل سے گزر چکے ہیں۔ غزل اور نظم پر ان کو یکساں دسترس حاصل تھی کہ ایسے شعرا میں ہوتا تھا۔ بیرونِ ملک بھی انہوں نے مقبولیت حاصل کی۔

امجد اسلام امجد کی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حکومتِ پاکستان نے انھیں 1987 میں صدارتی تمغہ حسنِ کارکردگی اور 1998 میں ستارہ امتیاز سے نوازا تھا۔ امجد اسلام امجد پاکستانی ادب کا روشن چہرہ تھے۔ لوگ ان سے محبت کرتے تھے۔ اور محبت ان کو صرف ملتی ہی نہیں تھی، وہ اس محبت کو بانٹتے بھی تھے۔ دوسروں کے غم کو محسوس کرتے اور کہہ اٹھتے:

کسی کی آنکھ جو پرنم نہیں ہے　　　نہ سمجھو یہ کہ اس کو غم نہیں ہے

اتنی خوبصورتی سے اتنی جامع بات کو دو مصرعوں میں کہنے کا فن امجد اسلام امجد کا ایک طرہ امتیاز تھا، جن کے فن کے سامنے سارے استعارے ہاتھ باندھے کورنش بجالاتے ہیں۔ محبت، خواب، شہر دل، خیال، رنج وملال، امید پیہم کی راہ گزر سے گزرنے والی اس نابغہ روزگار ہستی نے اک دنیا کو متاثر کیا۔ شعر و سخن کے عہد کی بات کریں تو ہم واقعی عہدِ امجد میں جی رہے ہیں کیونکہ امجد اسلام امجد کا تعارف صرف نظمیں اور غزلیں ہی نہیں بلکہ چشم کشا کالم اور معرکتہ الا آرا ڈرامے بھی ہیں، جنہوں نے ایک عالم کو اپنا اسیر بنائے رکھا۔ 'ہنر مند لوگوں کو پہچاننا اور پروموٹ کرنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے۔

خرابی صحت کے باوجود امجد اسلام امجد کی زندہ دلی اور شگفتگی ویسی ہی تھی۔ محبتیں بانٹنے والے اس ہر دلعزیز شاعر نے محبت کی بات کی تو ایک نسل ان کی معترف ہوگئی۔

محبت ایسا دریا ہے　　　کہ بارش روٹھ بھی جائے　　　تو پانی کم نہیں ہوتا

کسی بھی شخصیت کو پروان چڑھانے میں اساتذہ کا بہت ہاتھ ہوتا ہے، یہی کچھ امجد صاحب کے ساتھ بھی ہوا، کہا کرتے کہ ان کے ادبی ذوق کو نکھارنے میں ان کے اساتذہ نے بنیادی کردار ادا کیا۔ بقول امجد اسلم امجد، ”شاید میرے اساتذہ نے محسوس کیا کہ میرے لکھنے اور بولنے میں کوئی اضافی چیز ہے جو مجھے باقی طلبا سے شاید ممتاز کرتی تھی، چنانچہ نویں جماعت میں مجھے سکول کے مجلے کا ایڈیٹر بنادیا گیا۔ جب میں نے کالج میں داخلہ لیا تو مجھے احساس ہوا کہ میں لکھ سکتا ہوں، شاعری یا نثر کی زبان میں“۔

امجد اسلام امجد کی نوجوانی کے زمانے میں ہر کوئی کرکٹر بننے کے خبط میں مبتلا تھا، یہی جنون ان پر بھی سوار ہوا لیکن جب اس کھیل میں انہیں یکے بعد دیگرے ناکامیاں ملیں تو انہوں نے کرکٹر بننے کا ارادہ ترک کر دیا۔ دوسری جانب انہوں نے گریجویشن میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کر لیے، جس بنا پر انہیں سکالر شپ مل گیا اور اس طرح ان کی تمام تر توجہ شعر وادب کی طرف ہوگئی۔

اکثر کہتے ”کلاسیکی شعرا کو پڑھنے کے بعد ہی آپ موجودہ دور کی شاعری کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

امجد اسلام امجد کی شخصیت کی بات کی جائے تھی کہ ان کے اندر کسی قسم کا غرور نہیں تھا۔ وہ ہر کسی سے ملتے تھے، جونیئرز کو عزت دیتے تھے اور ہر لکھنے والے کو دوست سمجھتے تھے۔ اسلام امجد نے 1980 اور 1990 کی دہائی میں پاکستانی ٹیلیویژن کے لیے متعدد ایسے ڈرامے تحریر کیے جنھوں نے مقبولیت کے نئے ریکارڈ قائم کیے جن میں وارث، دہلیز، سمندر، دن، فشار اور ان جیسے

کئی ڈرامہ سیریل شامل ہیں۔ ڈرامہ نگاری کے ساتھ ساتھ اردو شاعری میں ان کا ایک علیحدہ مقام تھا- ان کے کلام میں تازہ کاری بھی تھی اور توانائی بھی، ان کی نظمیں ہمیں ایک خاص رومانوی طرزِ احساس سے روشناس کراتی ہیں۔

امجد اسلام امجد نے شاعری میں عکس نگاری کی تقریباً ساری اقسام استعمال کی ہیں۔ بنیادی طور پر عکس نگاری کا تعلق انسان کے پانچ حواس سے ہوتا ہے۔ شاعر اس عکس نگاری سے پڑھنے والے کے حواسوں کو تحرک میں لاتا ہے اور احساسات کو چھوتا ہے۔ مندرجہ ذیل پہلے شعر میں نظر کا متحرک عکس ہے۔ ریل گاڑی کا چلنا، آگے جانا اور پیچھے عکس بننا محسوس کرنے والی حواس سے خوبصورت عکس نگاری کی گئی ہے۔ دوسرے شعر میں نظر کا عکس ہے۔ تیسرے شعر میں ساکن اور متحرک دونوں عکس ہیں۔ ڈوبنا متحرک اور کھڑے ہونا ساکن جن کا تعلق نظر سے ہے اور پکار سننے والا عکس ہے جس کا تعلق کان یا سننے والی حس سے ہے۔

جیسے ریل کی ہر کھڑکی کی اپنی اپنی دنیا ہے — کچھ منظر تو بن نہیں پاتے کچھ پیچھے رہ جاتے ہیں

جس طرف تو ہے ادھر ہوں گی سبھی کی نظریں — عید کے چاند کا دیدار بہانہ ہی سہی

بڑے سکون سے ڈوبے تھے ڈوبنے والے

امجد اسلام امجد کی بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ اپنی شاعری میں آسان الفاظ استعمال کرتے بلکہ مشکل سے مشکل خیال کو بھی ایسی روانی سے کہہ جاتے کہ پڑھنے والے کے دل میں ان کا کلام با آسانی اتر جاتا ہے۔ کسی شاعر کا یہ کمالِ فن ہوتا ہے کہ اس کے خیالات ایک عام قاری کی سمجھ میں آجائیں۔

امجد اسلام امجد کی وفات پر اعلیٰ ادبی اور ادب شناس حلقوں کی جانب سے تعزیت کا سلسلہ جاری ہے، وزیر اعظم شہباز شریف نے بھی ان کی وفات پر دکھ کا اظہار کیا ہے۔ انھوں نے سماجی رابطے کی سائٹ ٹوئٹر پر لکھا کہ 'آج معروف شاعر اور دانشور امجد اسلام امجد کی وفات کی صورت میں اردو ادب کا ایک عظیم دور ختم ہو گیا۔ انہوں نے اپنے ڈراموں اور تصانیف کے ذریعے ایک نسل کی فکری آبیاری کی۔ ان کی شاعری کا ترنم ایک لمبے عرصے تک ہمارے کانوں میں رس گھولتا رہے گا۔

صدر مملکت ڈاکٹر عارف علوی اور نگران وزیر اعلی پنجاب محسن نقوی نے صدارتی ایوارڈ یافتہ شاعر، ادیب، ڈرامہ نویس امجد اسلام امجد کی وفات پر اظہار افسوس کیا ہے۔ صدرِ مملکت نے اردو ادب اور فن کے شعبے میں ان کی گراں قدر خدمات کو نا قابل فراموش قرار دیا ہے۔

آرٹس کونسل آف پاکستان کے صدر محمد احمد شاہ کی جانب سے پاکستان لٹریچر فیسٹیول میں امجد اسلام امجد کی یاد میں تعزیتی ریفرنس کا انعقاد کا اعلان کیا گیا ہے۔ سوشل میڈیا پر ان کے مداحوں کی جانب سے ان کی شاعری شیئر کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔

اگر کبھی میری یاد آئے
تو چاند راتوں کی دلگیر روشنی میں
کسی ستارے کو دیکھ لینا

اگر وہ نخل فلک سے اڑ کر تمہارے قدموں میں آگرے تو یہ
جان لینا
وہ استعارہ تھا میرے دل کا
اگر نہ آئے ؟۔۔۔۔۔
مگر یہ ممکن ہی کس طرح ہے کہ کسی پر نگاہ ڈالو
تو اس کی دیوار جاں نہ ٹوٹے
وہ اپنی ہستی نہ بھول جائے
اگر کبھی میری یاد آئے
گریز کرتی ہوا کی لہروں پہ ہاتھ رکھنا
نہ پاؤ مجھ کو
تو اپنے قدموں میں دیکھ لینا
میں گرد ہوتی مسافتوں میں تمہیں ملوں گا
کہیں پہ روشن چراغ دیکھو تو جان لینا

عید سعید مبارک

وقت آیا ہے جشن سعید کا
دیکھو آیا ہے سماں عید کا
شب و روز رہے ہیں محو سرور
بچھڑ چلا ہے مہینہ ولید کا
منہمک رہے بندگی کے سنگار میں
طمع تھا رحمتوں کی امید کا
سایہ فگن بھی رہا منگوں پر
اشارہ ایام معدودات کی وعید کا
ترک اکل و شرب دن بھر رہا
رونق سحر و افطار کی دید کا
رمضان جو نعمت قرآن لایا ہے
ماہ صیام ہے برکتوں کی نوید کا
کرم رہے تجھ پر بھی نصیر
برکت مہدی سے رحمان وحید کا

نصیر احمد باجوہ۔ ہمبرگ۔ جرمنی

وطن سے لندن کو جانے والو! نصیب اپنا جگانے والو!
سلام کہنا، سلام کہہ کر انھیں بصد احترام کہنا
وطن میں تیرے بغیر گلشن کی ڈالی ڈالی تڑپ رہی ہے
بڑا اذیت رساں ہے آقا تیری جدائی کا لمحہ لمحہ
تمھاری راہوں میں میرے آقا ہماری آنکھیں بچھی ہوئی ہیں
تری محبت، تری عقیدت کی شمعیں روشن ہیں میرے دل میں
نہیں مجالِ سخن اگرچہ یہ حوصلہ ہے دلِ حزیں کا

مرے غریب الدیار آقا کو جھک کے میرا سلام کہنا
کہ خوں کے آنسو رلا گیا ہے، ترا وہ شیریں کلام کہنا
اداسیوں کے مہیب سائے ہیں چھا رہے صبح و شام کہنا
ترس رہے ہیں تری زیارت کو میرے آقا عوام کہنا
خدا کرے آپ جلد لوٹیں یہاں بصد احتشام کہنا
دعا کریں کہ خدا میری چاہتوں کو بخشے دوام کہنا
وگرنہ احسنؔ تو ہے فقط تیری جوتیوں کا غلام کہنا

فقیہان حرم

(محمد کولمبس خاں۔از ہم سب)

پاکستان اپنے تحریری آئین کے مطابق ایک اسلامی جمہوریہ مملکت ہے۔اور یہ بات 1949 میں طے کی گئی تھی کہ:

۔"پاکستان کے جمہور کو "جو اختیار و اقتدار "اس (اللہ تعالیٰ) کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہو گا "وہ ایک مقدس امانت "ہے اس غرض کے لئے "چونکہ پاکستان کے جمہور کی منشاء ہے کہ ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جس میں مملکت اپنے اختیارات واقتدار کو جمہور کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعہ استعمال کریگی"۔

سپریم کورٹ آف پاکستان کے تازہ آئینی فیصلہ آنے پر غریب کی نظر مندرجہ بالا" جمہور کی منشاء "کی طرف لوٹ گئی اور اب تک اس آرزو (جمہور کی منشاء) کا جس طرح خون کیا گیا اس کی تاریخ کا ایک ایک لمحہ آنکھوں کے آگے پھرنے لگا۔

بقول عبید اللہ علیم صاحب کے:

۔ے کوئی تقسیم نئی کر کے چلا جاتا ہے　　جو بھی آتا ہے مرے گھر کی نگہبانی کو

پچھلے چند سالوں سے سیاستدانوں نے جو گلی ڈنڈا شروع کیا ہے اس کے نتیجہ میں معاشرہ دو مخالف نہیں ایک ہی ملک میں متحارب گروہوں میں تقسیم ہو گیا ہے اور بصیرت کا یہ عالم ہے کی مخالف کی ہر بات غلط اور جھوٹ دکھائی دیتی ہے اور ضمیر اس قدر مطمعن ہیں کہ جانتے ہوئے بھی کسی حقیقت کو تسلیم نہ کرنے کو سیاست سمجھا جانے لگا ہے۔ تجزیہ نگار بے شک عوام الناس کو قصوروار ٹھہرائیں اور کوسیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ قوم کے لئے لئے لیڈر کی حیثیت جسم میں دماغ کی طرح ہوتی ہے جس کے بغیر جسم کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔

پچھلے آئینی بحران میں مذہبی ٹچ والے سیاست کار نے بطور سپیکر نہایت معزز منصب سے بے وفائی کرتے ہوئے آئین کے مطابق پیش کیئے گئے ایک ریزولیشن کو یک قلم رد کر دیا اور نتیجۃً گیند کو عدالت عظمیٰ کی کورٹ میں پہنچا دیا۔ اسمبلیاں جن کا کام قانون سازی ہے وہی استعفوں کے ذریعے خودکشی کر کے نئے انتخابات کی بھی خواہش مند ہیں ساتھ ہی ممبران اپنے استعفوں کو کالعدم بھی کروانا چاہتے ہیں۔مانا کہ پاکستان ایک ترقی پذیر ملک ہے لیکن سیاستدانوں کو اتنی سمجھ بوجھ کا مظاہرہ تو کرنا چاہیئے کہ وہ بالغ انسان کہلا سکیں۔

یہ جانتے ہوئے بھی کہ فوج کا کردار ملک کو چلانے کے لئے بہر حال ناگزیر ہے اور فوج کو اس کی حدود میں رکھنے کے لئے سیاستدانوں کا اس پر کامل اتفاق ضروری ہے۔ بظاہر یہ بات فوج سے کنفرنٹیشن دکھائی دیتی ہے لیکن درحقیقت اگر سیاستدان باکردار ہوں اور حلقوں میں لوگوں کی چاپلوسی کے بجائے اپنے فرض (قانون سازی) کا دھیان رکھیں تو اپنا بھرم قائم رکھ سکتے ہیں اور فوجی بھی اسی ملک کے شہری ہیں۔

مغلوں کے اصول کے مطابق جب ان کا سردار شکست کھاجاتا تو وہ اپنے سردار کے مال کو ہی مال غنیمت قرار دے کر اسی کو لوٹنا شروع ہو جاتے، انگریزی حکومت کے زمانہ میں بھی بعض کارندے انگریزوں سے عداوت کے بموجب سرکاری خزانہ سے لوٹ مار کو جائز سمجھتے تھے۔ اس ذہنیت سے اب اوّل نمبر پر سیاست کاروں اور اداروں کو چھٹکارہ حاصل کرنا ہوگا۔

سادہ سے معاشرتی اصول کے مطابق کسی بھی شخصیت کو پرکھنے کا عام معیار اس کی باتوں اور عہد وپیمان پر عمل درآمد کا نتیجہ ہے۔ اس پر کوئی بھی پورا نہیں اتر رہا پھر بھی گزارہ انہی کے ساتھ کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام الناس کی نگاہیں سب سے آخر ملک کی عدلیہ کی طرف اٹھتی ہیں۔ جب وہاں سے بھی مایوسی ہو تو ایک شہری کے لئے یہ بڑی ہی دکھ کی بات ہوتی ہے۔ یہاں ایک "اگر" کا ذکر ضروری ہے۔ جب ایوب خاں نے نوشتہ دیوار پڑھ لیا کہ انکی ہر دلعزیزی اپنے اختتام کو پہنچ چکی ہے تو اپنے ہی بنائے ہوئے دستور کے برعکس (اسوقت دفعہ چھ نہیں تھی) بجائے چیف جسٹس آف پاکستان کو درخواست کرنے کے انہوں نے اقتدار ایک جنرل کے سپرد کر دیا، "اگر" وہ ایسا نہ کرتے تو ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ آج حالات کافی مختلف اور بہتر ہوتے۔ اس کے ساتھ ہی عدلیہ کا زوال سرعت پذیر ہونے لگا اور آج یہ حالت ہے کہ ججوں کے ریمارکس جو اخبارات میں آتے ہیں اور انکی برہمی کے تذکرے پڑھنے کو ملتے ہیں تو حد درجہ حیرت ہوتی ہے۔ سو سال پہلے جج صاحبان اخبار اس لئے نہیں پڑھتے تھے کہ کسی خبر کے مطالعہ کے نتیجہ میں ان کے فیصلے پر اثر نہ پڑ جائے۔ دوسری جانب روایت میں ہے کہ "جو شخص لوگوں کا قاضی بنایا گیا وہ تو بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا"۔ یہ بہت بڑا رتبہ ہے اور اس کے ساتھ ذمہ داری بھاری ہے۔

ان دگرگوں حالات میں بھی عدلیہ پر ہی اُمید باندھی جا سکتی ہے۔ نامور وکیل نعیم بخاری اس عدالت عظمیٰ کو "میری عدلیہ" پکارتے تھے۔ آجکل کیا رائے ہے معلوم نہیں۔ تاہم ہر پاکستانی کی یہ ان کہی دلی آرزو ہے کہ "میری عدلیہ" واقعی عدلیہ کا کردار ادا کرے اور اسے اِن فقیہانِ حرم کی بابت نہ کہنا پڑے کہ:

؎ اب فقیہان حرم دست صنم چومیں گے   سرو قد مٹی کے بونوں کے قدم چومیں گے

غلام پنجابی ٹولہ بمقابلہ آزاد محسود پشتون

(از الم نگار۔بشکریہ "ہم سب" مورخہ 24 فروری 2023)

ایک مرتبہ پھر پاکستانی طالبان کی دہشت گردی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ایک مرتبہ پھر حکومت کی طرف سے کوئی واضح لائحہ عمل سامنے نہیں آرہا ہے کہ اس دہشت گردی کو کس طرح روکا جائے۔کسی گروہ کی جارحیت کا مقابلہ کرنے سے قبل یہ ضروری ہوتا ہے کہ مدمقابل کی ذہنیت کا تجزیہ کیا جائے اور اس کی سوچ کو سامنے رکھ کر حکمت عملی بنائی جائے۔

یہ درست ہے کہ پاکستان کے مختلف علاقوں سے لوگ پاکستانی طالبان میں شامل ہوتے رہے ہیں۔لیکن اس گروہ کا سب سے زیادہ انحصار سابقہ قبائلی علاقہ کے لوگوں کو بھرتی کرنے پر رہا ہے۔اور اس علاقہ میں سے محسود قبیلہ کے افراد سب سے زیادہ اس گروہ کی قیادت کرتے رہے ہیں اور اس کے بعد مہمند ایجنسی کا کردار نظر آتا ہے۔پاکستانی طالبان کے پہلے دو امراء محسود قبیلہ سے تھا۔اس کے بعد ایک امیر کا تعلق سوات سے تھا۔اور اس دور میں قبائلی علاقہ سے تعلق رکھنے والے طالبان کا ایک گروہ علیحدہ بھی ہوا تھا۔اور اب موجودہ سربراہ نور ولی محسود کا تعلق بھی محسود قبیلہ سے ہے۔

اس کالم میں ہم اس رجحان کا جائزہ لیں گے۔اور اس غرض کے لئے پاکستانی طالبان کی موجودہ سربراہ نور ولی محسود کی کتاب 'انقلاب محسود فرنگی راج سے امریکی سامراج تک' کے چند حوالے پیش کرتے ہیں پھر کچھ تاریخی حقائق سامنے رکھ کر حقیقت جاننے کی کوشش کریں گے۔اس کتاب کے صفحہ 36 پر مصنف نے بہت فخر سے ان جنگوں کی کچھ تفصیلات بیان کی ہیں جن میں محسود قبیلہ نے انگریزوں کو شکست دی۔اور تفاصیل بیان کی ہیں کہ بہادر محسودوں نے کتنے انگریزوں کو قتل کیا۔جو تعداد بمعہ ناموں کے انہوں نے تحریر کی ہے وہ اتنی معمولی ہے کہ سو سال شمشیر زنی کے جوہر دکھانے کے بعد اتنی معمولی تعداد پر فخر کرنے کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔لیکن اس بنا پر وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں:

'یہی تو قبائل کا خاصہ ہے جس نے اپنے آپ کو ہر حال میں آزاد و ناقابل تسخیر بنا رکھا ہے۔کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ نہ اس میں گھاس اگتی ہے، نہ اس میں پھول کھلتے ہیں مگر اس سرزمین سے آسمان بھی جھک کر ملتے ہیں،' (صفحہ 38)

ان کے نزدیک اس مسلح جدجہد کا مقصد اپنے علاقوں کو جمہوریت سے بچانا تھا اور ان کے نزدیک جمہوریت اور لادینیت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔اس کتاب میں لکھا ہے:۔

"اس وقت قبائل اور افغان نے برطانیہ سے لڑ کر اس کے جمہوری لادین افکار کو شکست

دی، قبائل اور افغان نے اپنے معاشرے کو لادین جمہوری افکار سے بچایا۔' (صفحہ 102)

یہ لکھنے کے بعد کہ قبائلی علاقہ کی زمین شیروں کا مسکن ہے وہ لکھتے ہیں کہ جب مسلمان ممالک لادینی نظام کو قبول کر رہے تھے، وہ ہم ہی تو تھے جو کہ اس نظام کے سامنے سینہ سپر ہوگئے۔ صفحہ 116 پر یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ قبائل پر آج تک کسی نے حکومت نہیں کی ہے اور یہ علاقہ ہمیشہ سے خود مختار رہا ہے۔ قبائلی پشتونوں کی بہادری اور حریت کے موضوع پر زمین آسمان کے قلابے ملانے کے بعد وہ پنجابیوں پر طنز کرنا نہیں بھولتے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"پنجاب کا پڑھا لکھا آدمی مروت، غیرت، دینداری اور باوقاری میں ان پڑھ پٹھان کے برابر نہیں ہو سکتا۔ جتنا قابل قیادت طبقہ پشتون قوم میں ہے کسی اور قوم میں نہیں۔ دلیل کے لئے قیادت کے اوصاف جا کر دیکھیں۔ دوسری قوموں کی غلامی کرنے میں اور قیادت کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔" (صفحہ 129)

اس مرحلہ پر پہنچ کر پنجابیوں پر پشتون نسلی برتری کی بلی مکمل طور پر تھیلے سے باہر آجاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"انگریز ناکام ہوا۔ اب پنجابی لابی اس آزادی کو ختم کرنے کے در پے ہے" (صفحہ 133)

ان کا موقف یہ ہے کہ غیرت دینداری قائدانہ صلاحیتیں حریت اور وقار تو پٹھانوں اور خاص طور پر قبائلی پٹھانوں کے نمایاں اوصاف ہیں۔ یہ غلامی کرنے والا پنجابی ٹولہ کیا جانے کہ حریت کس چڑیا کا نام ہے؟ یہ بڑھکیں درج کرنے کے بعد ہم تاریخ کی کچھ جھلکیاں پیش کرتے ہیں۔ اور یہ جھلکیاں صرف مصنف کے قبیلے کی تاریخ سے پیش کی جائیں گی۔

اس کالم میں ہم ان معاہدوں کا جائزہ لیں گے جو کہ 1873 اور اس کے بعد انگریز افسروں اور محسود قبیلہ کے درمیان ہوئے۔ 1873 میں شامان خیل محسود اور ان افسران کے درمیان ایک معاہدہ ہوا۔ اس معاہدے کے شروع میں ہی لکھا ہے کہ برطانوی حکومت کے ساتھ ہمارے قبیلے کی دشمنی رہی ہے لیکن اب، Hereby submit to British Government یعنی اب ہم برطانوی حکومت کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔ اب ہم حکومت سے دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ ہم ضمانت کے طور پر اپنے بیس نمایاں افراد کو ڈیرہ اسماعیل خان میں برطانوی حکومت کے پاس یرغمال رکھوائیں گے جنہیں حکومت دس سے پندرہ روپیہ ماہوار وظیفہ دے گی۔ اور ہمارا قبیلہ اپنے سابقہ جرائم کی تلافی کے لئے تین ہزار روپیہ جرمانہ ادا کرے گا۔ اور اگر اب اس قبیلہ کے کسی شخص نے برٹش علاقہ میں لوٹ مار یا چوری کی تو گروی رکھے گئے شخص کی ذمہ داری ہو گی کہ لوٹ کا مال واپس دلوائے۔ اس کے بعد 1874 میں بہلول زئی محسود اور انگریز حکمرانوں کے درمیان معاہدہ ہوا۔ اس کے شروع میں بھی یہی لکھا تھا کہ ہم سابقہ تصادم ترک کرکے اب برطانوی حکومت

کی فرمانبرداری اختیار کرتے ہیں اور اس تسلی کے لئے کہ اس کے بعد ہمارے طرف سے کوئی شرارت نہیں ہوگی ہم اپنے 33 اہم افراد انگریزوں کے پاس گروی رکھواتے ہیں۔ اور اگر ان میں سے کوئی شخص اپنے گھر جائے گا تو اپنی جگہ اپنے بھائی یا بیٹے کو گروی رکھا کر جائے گا۔ اور بہلول زئی محسود نے اپنی سابقہ کارروائیوں کی تلافی کے طور پر برطانوی حکومت کو سات ہزار روپے کی رقم دینے کا عہد کیا۔ اور عہد کیا کہ اگر اس کے بعد ہمارے میں کسی فرد نے کسی برطانوی رعیت کو پتھر بھی مارا تو ہم چھ سو روپیہ بطور جرمانہ ادا کریں گے۔

پھر 1902 میں محسود قبیلہ کی تینوں شاخوں نے برطانوی حکومت کو ایک مشترکہ درخواست بھیجی اور اس میں لکھا کہ ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ ہم برطانوی حکومت کو خراج ادا کر رہے ہیں اور اس کے بعد اس درخواست میں لکھا:

We trust that in future Government will regard us as their own subjects and treat us with kindness.

ترجمہ: ہمیں امید ہے کہ مستقبل میں حکومت ہمیں اپنی رعایا سمجھے گی اور ہم سے مہربانی کا سلوک کرے گی۔

اور اس کے بعد لکھا ہے کہ ہم باقاعدگی سے خراج ادا کرتے رہیں گے۔ ریکارڈ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ دعویٰ غلط ہے کہ صرف چند ملک انگریزوں کے ساتھ مل گئے تھے اور باقی قبائلی انگریزوں کے خلاف جہاد کر رہے تھے اور حکومت کو ناکوں چنے چبوا رہے تھے۔ اس دور میں بھی یہ علاقے حکومت کے نقطہ نگاہ سے زیادہ پر امن نہیں رہے اور ہر کچھ عرصہ بعد یہاں امن و امان کا چھوٹا موٹا مسئلہ پیدا ہوتا رہا ہے۔ اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ لیکن ان کاغذات سے یہ صاف ظاہر ہے کہ یہاں انگریزوں کی پالیسی کو کامیابی ملی تھی اور ان معاہدات کے پیچھے قبائلی لوگوں کی مرضی شامل تھی۔ کیونکہ 5 اپریل 1902 کو محسود قبیلہ اور انگریز افسروں نے ایک اور تحریر پر دستخط کیے۔ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ برطانوی حکومت نے محسود قبیلہ کا وظیفہ مقرر کر دیا ہے اور محسود قبیلہ کے جرگہ نے جو کہ تمام قبیلہ کی نمائندگی کر رہا ہے یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ قبیلہ برطانوی حکومت کا وفادار رہے گا اور ہماری طرف سے وانا، ٹوچی گومل پاس، ڈیرہ اسماعیل خان کے علاقوں اور تمام راستوں پر کوئی جرم نہیں کیا جائے گا۔ اور ہم راستوں کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے اور جو کوئی جرم کرے گا ہم اسے راستہ تک نہیں دیں گے۔ اور اگر ہم کسی طرح بھی اس معاہدے کی خلاف ورزی کریں تو حکومت کو یہ حق حاصل ہو گا کہ ہمارے خلاف جس طرح چاہے کارروائی کرے۔ اس کے بعد یہ تفصیلات درج ہیں کہ برطانوی حکومت جو وظیفہ دے گی اسے کس طرح تقسیم کیا جائے گا۔ اس پر چودہ سو سے زائد افراد کے دستخط ہیں جو کہ برطانوی حکومت سے وفاداری کا یہ عہد کر رہے تھے۔ اس کے بعد بھی محسود قبیلہ اور دوسرے قبائل بھی برطانوی حکمرانوں سے وفاداری اور تعاون کے عہد و پیمان کرتے

رہے۔ ہندوستان ایک وسیع علاقہ تھا جس میں کئی ملک سمائے ہوئے تھے۔ مختلف علاقوں پر برطانوی حکمران مختلف طریقوں سے حکومت کر رہے تھے۔ کہنے کو تو کئی سو ریاستیں بھی تھیں جو کہ نام نہاد آزاد تھیں لیکن ان کے حکومت سے ایسے معاہدے تھے جن کی بنا پر یہ ریاستیں عملی طور پر برطانوی حکومت کے تسلط میں ہی تھیں۔ اسی طرح قبائل کا علاقہ ایسا نہیں تھا جہاں سے حکومت کو زیادہ مالی منفعت حاصل ہو سکے تو یہاں کے علاقہ پر حکومت کرنے کے لئے انگریزوں نے مختلف طریقہ استعمال کیا تھا۔ یہ کاغذات برٹش لائبریری اور قطر ڈیجیٹل لائبریری میں محفوظ ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ دعوے غلط ہیں کہ قبائلی علاقہ کے لوگوں نے انگریزوں کو شکست دے کر بھگا دیا تھا۔ یہاں کے قبائل نے خود اس حکومت کے تابع اور فرمانبردار ہونے کے معاہدے کیے تھے۔ اپنے سرداروں کو گروی بھی رکھوایا تھا۔ انہیں جرمانے بھی ادا کیے تھے اور ان سے مالی وظائف بھی وصول کیے تھے۔ ایک امریکی مصنف کا قول ہے:

A generation which ignores history has no past and no future

یعنی جو نسل تاریخ کو نظر انداز کر دے اس کا نہ کوئی ماضی ہے اور نہ کوئی مستقبل:۔

مستقبل میں ماضی کی غلطیاں دہرانے سے بچنے کے لئے اپنی صحیح تاریخ کا علم ہونا ضروری ہے

اگر آں صنم زرہِ ستم، پئے کشتم بنہد قدم

لَقَد اِستقَامَ بِسَیفہٖ فَلَقَد رَضِیت بِمَا رَضیٰ

اگر وہ محبوب مجھ پر ستم ڈھانے کی غرض سے، میرے قتل کے لیئے قدم بڑھائے گا

تو میں ضرور اس کی تلوار کے سامنے استقامت دکھاؤں گی، چونکہ میں اس کی رضا پر راضی ہو چکی ہو

چیٹ جی پی ٹی

نیچرل لینگویج پروسیسنگ (NLP) اور مصنوعی ذہانت (AI) کے میدان میں ایک پیش رفت ٹیکنالوجی ہے۔ OpenAI کے GPT 3.5 فن تعمیر پر مبنی ایک بڑے لینگویج ماڈل پلیٹ فارم کے طور پر، ChatGPT ایک جدید ٹول ہے جسے انسانی تقریر کو سمجھنے اور اس کا جواب دینے کے لیے ڈیزائن کیا گیا ہے۔

ChatGPT کا ایک بڑا فائدہ قدرتی زبان کو سمجھنے اور اس کا جواب دینے کی صلاحیت ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ چیٹ جی پی ٹی کے استعمال کی ایک وسیع رینج ہے، چیٹ بوٹس سے لے کر ذہین ذاتی معاونین تک۔ ChatGPT کو ٹیکسٹ جنریشن اور اسپیچ ٹرانسلیشن میں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے، جس سے یہ ایک انتہائی ورسٹائل ٹول ہے۔

ChatGPT کی ایک اور طاقت سیاق و سباق کے جوابات فراہم کرنے کی صلاحیت ہے۔ ماڈل ان جملوں کے معنی کو سمجھ سکتا ہے جو ایک دوسرے کی پیروی کرتے ہیں اور اس طرح بہتر جوابات فراہم کرتے ہیں۔ یہ ChatGPT کو پیچیدہ سوالات کا جواب دینے اور متعلقہ سوالات کے جوابات دینے کی اجازت دیتا ہے۔

ChatGPT کا ایک اور فائدہ اس کی توسیع پذیری ہے۔ ماڈل درست جوابات پیدا کرنے کے لیے بڑی مقدار میں ڈیٹا پر کارروائی اور تجزیہ کرنے کے قابل ہے۔ یہ ان کاروباروں کے لیے ایک طاقتور ٹول بناتا ہے جو اپنے صارفین کے ساتھ جلدی اور مؤثر طریقے سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔

تاہم، یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ChatGPT کامل نہیں ہے اور اس کے جوابات ہمیشہ درست نہیں ہو سکتے۔ ChatGPT اور اسی طرح کی AI ٹیکنالوجیز کی اخلاقیات اور سلامتی کے بارے میں بھی خدشات ہیں، خاص طور پر رازداری اور امتیازی سلوک کے بارے میں۔ اس لیے یہ بہت اہم ہے کہ ڈویلپرز اور کمپنیاں ان ٹیکنالوجیز کو ذمہ داری سے استعمال کریں۔

مجموعی طور پر، ChatGPT AI اور NLP کے میدان میں ایک دلچسپ پیشرفت ہے۔ فطری زبان کو سمجھنے اور سیاق و سباق کے جوابات پیدا کرنے کی صلاحیت کے ساتھ، ChatGPT میں یہ صلاحیت ہے کہ ہم کس طرح کمپیوٹرز کے ساتھ تعامل کرتے ہیں اور معلومات کو کیسے حاصل کرتے ہیں اور اس پر کارروائی کرتے ہیں۔ تاہم، یہ ضروری ہے کہ ہم اس ٹیکنالوجی کو ذمہ داری سے استعمال کریں اور یقینی بنائیں کہ یہ اخلاقی ہے۔

چمکتی چاندنی، آٹے تیل کو ترستی ماں اور دودھ کے لئے بلکتی بچی

(از شیخ لئیق احمد۔ بشکریہ ہم سب 15 مارچ 2023)

اس کی الم ناک سسکیاں لیتے روتی درد بھری آواز میں اپنی جوانی کی بے وقوفیوں کی بھیانک نتائج کی کہانی نے میری نیند اڑادی تھی۔ میرے کہنے پر اس نے اپنی داستان میرے میسنجر اکاؤنٹ وائس میسیج کے دو تین لمبے ٹکڑوں میں بیان کی تھی۔ وہ ایک معزز پٹھان خاندان کی لڑکی تھی۔ سکول کے زمانے میں ہی سولہ سال عمر میں ایک دولت مند گھرانے کے دلکش خوبصورت جوان کو دل دے کر گھر سے اس کے ساتھ نکل آئی تھی اور نکاح کر لیا تھا۔

صوبائی دارالحکومت کے اچھے علاقے کے اچھے گھر میں اس کے ساتھ دس گیارہ سال انتہائی عیش و عشرت سے گزرے تھے۔ اب انتیسویں سال میں تھی۔ خاوند نے اپنے گھر والوں کو بتایا نہ تھا۔ ہفتہ میں دو تین روز اس کے ساتھ رہتا۔ خوب شاپنگ ہوتی اور عیش و آرام کی زندگی تھی۔ وہ بچہ نہیں چاہتا تھا۔ مگر کوئی چار سال قبل اس وقت ہوش آیا جب حمل ٹھیرے چھ ماہ ہو رہے تھے۔ یہ خاوند کے اصرار کے باوجود حمل گروا ایک جان کو قتل نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اب اختلاف رہنے لگا۔ اس کے طور بدلنے لگے۔ رویہ تبدیل ہونا شروع ہوا۔ گھر آنا کم ہو گیا۔ سال سوا سال قبل وہ ایک روز آیا۔ پیار محبت کرتے گھر کی تلاشی لیتے سارے کاغذات نکال کے لے گیا۔ اور پھر طلاق دے دی خرچہ بند کر دیا اور شاید کسی اور لڑکی کو پھنسا لیا۔ دوبارہ شکل بھی نہ دکھائی۔ پتہ چلا نکاح نامہ رجسٹری نہ کروایا گیا تھا۔ بیٹی کا برتھ سرٹیفیکیٹ بھی نہ بنا تھا۔ یہ بے سہارا ہو حالات کے رحم پہ آگئی۔ ایک باجی ملنے والی نے بہت دیکھ بھال کی۔

اب تمام قیمتی سامان بکنا شروع ہوا۔ سونا، ائر کنڈیشنر، فرج، زیور، فرنیچر، ستر ہزار والا موبائل فون چالیس میں پیچ سترہ ہزار والا لیا۔ اب دنیا میں کوئی نہیں۔ ماں باپ کو پتہ چلے، قتل کر دیں۔ تین سال کی بیٹی۔ دستاویزات، شناختی کارڈ کا مسئلہ۔ مالک مکان کرایہ کا مطالبہ کر رہا ہے۔ کہاں سے لاؤں ایک ایک بہت مخیر خاندان کی لڑکی نے وعدہ کیا۔ اب جواب نہیں دیتی۔ سوچتی ہوں بیٹی کو مار کر خودکشی کر لوں۔ خدارا کسی طرح کچھ بندوبست کریں مدد کا۔

کچھ روز قبل نہ چاہتے ہوئے بھی جانے کیسے فیس بک فرینڈ ریکوئیسٹ پہ انگلی دب گئی تھی۔ یہ حالیہ جنوری کا آخری عشرہ تھا۔ شاید ایک موئقر نام والی خاتون کے کوائف سے اس کے مرکزی شہر کے بہت مہنگے سکول اور نیک نام یونیورسٹی سے تعلیم

ہونا اس کا باعث بنا ہو۔ اس نے اپنا اصل نام جو بتایا اس کے معنے چاندنی کے ہیں لہذا چاندنی سمجھیں۔ گو ایک لفظ کچھ چبھا بھی تھا۔ چند روز بعد میسنجر پہ سلام دعا کا ذکر آیا۔ تین فروری کی صبح میسنجر پہ پیغام تھا "رابطہ کریں بہت ضروری کام ہے" یاد آیا کہ رات گئے میسنجر پہ کال بھی آئی تھی جسے میں نے بند کر دیا تھا۔

یہ میرے لئے کوئی نئی بات نہ تھی۔ یا کینیڈا آنے کے لئے معلومات درکار ہوں گی یا کوئی اور رہنمائی کی طلب۔ جواب دیا لکھ کے بھیج دو تو واٹس ایپ پہ بات کرنے کی درخواست۔ عرض کیا فون نمبر نہیں دوں گا۔ تو چند روز بعد لمبا وائس میسیج آیا تھا۔ کہانی دردناک تھی۔ لہجہ روتے سسکتے بلکتے بات کرتے شک کی گنجائش نہ چھوڑتا تھا۔ چند سوال پوچھے۔ سولہ برس کی عمر میں نکاح کیسے ہو گیا۔ جواب تھا چو کیدار جوڑے کو ماں باپ لکھ کر عمر اٹھارہ سال لکھوائی گئی تھی۔

عرض کیا کہ بچی کا قریبی ہسپتال میں جنم ہوا تھا تو جا کے برتھ سرٹیفکیٹ بنوا لو تو جواب تھا کہ یہ تو خیال نہیں آیا۔ مگر کچھ بات تھی جو دل میں خلش پیدا کر رہی تھی اس کا طرز بیان اور لہجہ اور انگریزی درست الفاظ کا بہت استعمال اور شستہ لہجہ جس میں افغان جھلک تھی نہ انڈر میٹرک کی۔ اور کوائف میں معروف یونیورسٹی کی تعلیم۔ چند دن گزر گئے اور ہر روز اس کی تحریر اور دکھ بھری آواز سنائی دیتی۔ ہم کچھ دن کے لئے وینکوور چلے گئے اور اس دوران اس کے دو تین اور ویڈیو میسیج آ چکے تھے۔ درد اور وہم یک جا تھے۔ اچانک ذہن میں ایک خیال گونجا۔

فاطمۃ الزہرہ وومن فاؤنڈیشن پنڈی بھٹیاں کا ایک بہت ہی فعال فلاحی ادارہ ہے اور مستحق خواتین کو تعلیم بالغان اور ہنر سکھاتے انہیں اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونے میں رہنمائی اور مدد بھی اس کے پروگرام میں شامل ہے۔ اس کی سیکرٹری اور پرنسپل شازیہ اسد میری کزن کی بیٹی ہیں۔ ان کے خاوند اسد سلیم شیخ، (اپنے منفرد طرز تحریر میں سیاحت، علاقائی ثقافت، علاقائی تاریخ اور سیاست پر کوئی بیس کتب کے مصنف اور تمغۂ فضیلت کے علاوہ کئی ادبی تمغہ جات کے حامل) حال ہی میں پرنسپل گورنمنٹ کالج کے عہدہ سے ریٹائر ہو کر اسی ادارہ کو زیادہ فعال کرتے قرض حسنہ کی سکیم بھی محدود پیمانے پہ شروع کر چکے ہیں اور یہ بھی میرے ماموں زاد کے بیٹے ہیں۔ میں نے شازیہ اسد کو فون کیا سارے کوائف بتائے، اور درخواست کی ایسے حالات میں خواتین یا خودکشی کرتی ہیں یا پھر غلط ہاتھوں اور غلط پیشوں میں جا پڑتی ہیں۔ لہذا اس کے متعلق تحقیق کر کے ابتدائی امداد کرنے کے بعد کسی باوقار ذریعہ آمدن کے لئے رہنمائی کریں۔

ساتھ ہی تمام گفت و شنید اور آڈیوز کا ریکارڈ بھجوا دیا۔ یہ بھی عرض کر دیا کہ عموماً دس میں سے نو ایسے کیس مجھے "صبا ایزی لوڈ والی" جیسے ملے ہیں۔ شازیہ ہنستے بولیں کہ اب گھاگ ہو چکی فکر نہ کریں۔ ایک روز قبل اسی کے شہر میں تھی پتہ ہوتا تو خود مل تصدیق کر بندوبست کر آتی۔ تسلی رکھیں صبح ہوتی ہے تو پہلا کام اس سے رابطہ کروں گی۔ پاکستان میں صبح ہوتے ہی شازیہ چاندنی سے رابطہ کر اس کے کوائف کی تصدیق کرنا شروع کرنے کی اطلاع دے چکی تھی۔

اس دوران مجھے دو روتے سسکتے اپیل کرتے آڈیو میسیج مزید مل چکے تھے۔ اور اسے مطلع کر چکا تھا کہ اسے صبح فاطمۃ الزہرا فاؤنڈیشن سے فون آئے گا۔ اگلے روز شازیہ کو چاندنی اپنے بنک اکاؤنٹ کی تفصیل اور تصدیق کے لئے اپنے مالک مکان کا فون نمبر اور ہر طرح مزید تسلی کروانے کا پیغام دے چکی تھی۔ اور شازیہ مجھے بتا رہی تھی کہ اس نے چاندنی کے فیس بک اکاؤنٹ پہ جا کر جہاں صرف اس کی بیٹی کی چند تصاویر تھیں کمنٹس وغیرہ لکھنے والوں کے پروفائل چیک کیے تو زیادہ تر کمنٹس بیرون ملک پاکستانیوں کے تھے۔ یہ غالباً بیس فروری کا دن تھا۔

میں شام کا کھانا کھا اوپر سونے کے لئے گیا تو فون کی گھنٹی بجی۔ سامنے اسد اور شازیہ ناشتہ کی میز پہ بہت خوشگوار موڈ میں بیٹھے تھے۔ (وینکوور اور پاکستان میں تیرہ گھنٹے وقت کا فرق) کہنے لگے ہم نے چاندنی کی فوٹو منگوائی تھی آپ دیکھ لیں اور بتائیں کہ امداد دوگنا کرنی ہے تین گنا۔ فوٹو واقعی ایک اٹھائیس انیتس سال کی سکارف لپیٹے ارشد چائے والے کی سی نیلی آنکھوں والی انتہائی خوبصورت لڑکی کی تھی اور سو فیصد چاندنی کی بیٹی سے مشابہ تھی۔

شازیہ ہنستے ہوئے بتا رہی ہیں کہ میں نے فلاں شہر کے مخیر بزرگ سیٹھی صاحب سے فوراً چاندنی کے اکاؤنٹ میں رقم بھیجنے کی درخواست کرتے ساتھ اپنے اور آپ کے خدشہ کا ذکر کر دیا تھا۔ وہ بعد دوپہر ہی بنک مینیجر کو مختصر کہانی سنا کر اس خاتون کو ایک معین رقم بھجوانے کا کہہ کر ساتھ یہ کہہ رہے تھے کہ ذرا چیک کرنا میری پچھلی بھجوائی رقم مل گئی نا۔ اور بنک مینیجر کا جواب تھا کہ جی ہاں چودہ فروری کو اس کے حساب میں ستائیس ہزار روپے جمع ہوئے تھے۔

(اوہ سو امریکی ڈالر) سیٹھی صاحب نے کہانی بتاتے انہیں ذرا اکاؤنٹ کھنگالنے کا کہا اور واپس آ گئے۔ اور چند گھنٹہ بعد مینیجر صاحب مبارک باد دے رہے تھے کہ مجبور لڑکی شاید آپ سے زیادہ کماؤ ہے۔ جیسے کوئی رقم آتی ہے دوسرے بنک کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہو جاتی ہے اور پچھلے دو سال میں بس کوئی چالیس پچاس لاکھ اس اکاؤنٹ میں آ کے آگے جا چکا ہے۔

"میں نے کہا تھا نا انکل، میں اب گھاگ ہو چکی ہوں، ادارہ کی نیک نامی ایسے ہی نہیں بڑھ رہی۔ آپ نے تو بس "صبا ایزی لوڈ والی" سے محتاط رہنے کا کہا تھا مگر یہاں تو مالک مکان کی صورت "بلی کے ساتھ بنٹی" بھی نکل آیا۔

اسد اور شازیہ مجھے بنجوسہ جانے کے پروگرام کے متعلق بتا رہے تھے اور میں ان کو اسی شام وائٹ راک کے علاقے میں دور تک سمندر میں گئے پیئر (لکڑی کی سمندر میں گئی سیر گاہ) کی سیر اور دیکھی سمندر کنارے پڑی "وائٹ راک" یعنی سفید چٹان کی دیومالائی داستان سنا رہا تھا اور میری انگلیاں آئی پیڈ پر "کجرا رے کجرا رے، تیرے پیارے پیارے نینا" کا گیت ڈھونڈ رہی تھیں اور "بلی اور بنٹی" نگاہوں میں گھوم رہے تھے۔

نوٹ: پاکستان بھارت سے بعض دفعہ اس قسم کے فون اکثر آتے ہیں کہ انسان کا دل پسیج جاتا ہے۔ یہ ایک جدید طرزِ کا ہمدردی کا استحصال ہے۔ جس سے محتاط رہنا ضروری ہے۔

مکرم محترم ماسٹر محمد سعید باجوہ صاحب مرحوم

(ذکر خیر از مکرم چیف سیّد معین شاہ صاحب۔یوکے)

خاکسار نے 1979 میں بی ایس سی اور 1970 میں بی ایڈ کرنے کے بعد عارضی طور پر تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ میں بحیثیت سائنس ٹیچر ملازمت اختیار کی۔ پہلے دن سکول میں حاضری پر محترم ملک حبیب الرحمٰن صاحب (ہیڈ ماسٹر) نے تمام سٹاف کو میرا تعارف کروایا۔ اس وقت دوسرے اساتذہ کے ہمراہ مکرم محمد سعید باجوہ بھی موجود تھے۔ اسمبلی کے بعد محترم باجوہ صاحب میرے پاس آئے اور اپنا تعارف کروایا اور اس طرح ہماری دوستی کا اغاز ہوا۔ باجوہ صاحب مڈل کلاسز کو انگریزی اور میں سائنس پڑھاتا تھا۔ جب دونوں کا خالی پیریڈ ہوتا تو اکٹھے بیٹھ کر روزانہ کی تعلیمی سرگرمیوں سے متعلق بات چیت کرتے اور اس طرح وہ مجھے تدریس میں بہت مددگار ثابت ہوئے۔ مجھے اس سکول میں چند ماہ کام کرنے کا موقع ملا اور پھر ستمبر 1971 میں ایک گورنمنٹ سکول سیرالیون سے ملازمت ملنے پر میں وہاں چلا گیا۔ اس مختصر سے عرصہ میں محترم محمد سعید صاحب باجوہ کو بہت قریب سے دیکھا اور انہیں بے شمار خوبیوں کا مالک پایا۔ وہ نہ صرف اپنے ساتھ اساتذہ کے ساتھ بلکہ طلباء سے بھی بہت نرمی سے پیش آتے۔ ان میں نہایت عاجزی اور انکسار پایا جاتا تھا۔ پڑھانے کا انداز ایسا کہ بچوں کو لگتا ان کا استاد نہیں بلکہ ایک دوست ہمکلام ہے۔ ان کے ہمدردانہ اور محبت بھرے رویّہ کی وجہ سے تمام طلباء انکی بہت عزت کرتے۔ میرا ان سے دوستی سے زیادہ بھائیوں والا تعلق تھا۔۔ انکو ایک مقدمہ میں بعض دیگر بزرگان سمیت ملوث کیا گیا۔ جس کے لئے کئی سال عدالتوں میں پیشیاں بھگتنی پڑیں۔ ایک بہت ہی صابر قسم کے انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتوں کے دروازے کھولے اور جنت الفردوس میں اپنے پیاروں کے قرب میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔ آمین

خاکسار

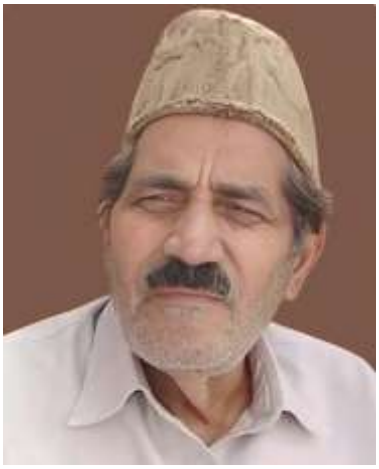

چیف سیّد معین شاہ

38 West way, Ebsam, Surray, KT 19 0LQ

انسانوں اور زبانوں کی جرمنی کی طرف ہجرت

(از منور علی شاہد۔بشکریہ ہم سب 27مارچ 2023)

سال رواں میں ناچیز کو جرمنی پہنچے ہوئے دس سال ہو رہے ہیں۔ اس دوران ہونے والے مشاہدات کی فہرست بہت طویل ہے۔ اس میں جرمن کی زبان سر فہرست رہی۔ اس کی اہمیت اور ضرورت دن گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی گئی تھی۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ جرمنی میں جانا ایک نئی دنیا میں جانے کے مترادف ہے۔ اگر آپ نے انگریزی میں پی ایچ ڈی بھی کر رکھی ہے تو جرمنی میں پہنچ کر آپ ایک سینٹ کی خریداری کے قابل نہیں ہوں گے۔ ٹیکسی بس کے ذریعے سفر نہیں کر سکیں گے۔

ہو سکتا ہے آپ دوران سفر کہیں آگے نکل جائیں یا غلط سٹاپ پر اتر جائیں اور پھر غصہ میں خود کو کوستے پھریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جرمن لوگ اپنی زبان کے علاوہ دوسری زبان میں بات کرنا بالکل پسند نہیں کرتے، اور نہ ہی ان کو آتی ہے لہذا گونگوں کی طرح اشاروں سے ہی کام چلانا پڑتا ہے۔ اسی لئے آپ کو اپنی قیام گاہ سے باہر نکلتے ہی زبان کا مسئلہ ہر قدم پر ملے گا۔ جرمنی کی سرزمین پر جب پہنچا تھا تو انگریزی زبان کی کچھ سوجھ بوجھ کی وجہ سے زیادہ فکر مند نہیں تھا لیکن چند دنوں کے بعد ہی احساس ہو گیا کہ سب کچھ ٹھیک نہیں ہے بلکہ بہت گڑبڑ ہے، سب اندازے غلط نکلے اور منہ میں زبان رکھنے کے باوجود گونگوں کی طرح اشاروں سے کام چلانا پڑا تھا۔

قدم قدم پر محتاجی کا سامنا تھا۔ جرمن لوگ اپنی زبان سے اس جنون کی حد تک عقیدت رکھتے ہوں گے، اس کا بالکل اندازہ نہیں تھا۔ ایک بار ٹرین میں سفر کے دوران چیکر سے بات کرنی پڑ گئی، اس نے صرف انگریزی ہی میں یہی ایک جملہ بادل ناخواستہ بولا کہ یہاں رہنا ہے تو جرمن زبان سیکھو۔ جرمن معاشرہ ایک مکمل سیکولر معاشرہ ہے جہاں انسانی احترام اور اقدار کے وہ عملی نظارے دیکھنے کو ملتے ہیں جیسا ایک مسلمان نے اسلامی تعلیمات میں پڑھ رکھا ہے اور سن رکھا ہے۔

قانونی طریقوں سے جرمن پہنچنے والے تارکین وطن اور دیگر غیر ملکیوں کو جلد سے جلد جرمن معاشرے کا فعال حصہ بنانے کے لئے ریاست کروڑوں یورو کی کثیر رقم خرچ کرتی ہے۔ گزشتہ چند سالوں سے شعبہ تعلیم میں تبدیلی دیکھنے کو مل رہی ہے۔ سکول کی سطح پر انگریزی زبان پڑھانے کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ نئی جرمن نسل کو اب انگریزی بھی پڑھائی جا رہی ہے۔ جرمن کی 16 ریاستوں کی طرف سے تارکین وطن اور غیر ملکیوں کو جرمن زبان سکھانے کی

بہترین سہولیات میسر کی ہوئی ہیں۔

کسی یونیورسٹی یا کالج میں ڈگری کی پڑھائی سے پہلے جرمن زبان کورس پاس کرنا لازم ہوتا ہے۔ اسی طرح فلاحی ادارے بھی موجود ہیں جو زبان سکھاتے ہیں۔ آن لائن، کلاسز کے علاوہ خصوصی تعلیمی اداروں کے ذریعے زبان سیکھ سکتے ہیں۔ پہلے جرمن زبان کورس لازم ہے جو A 1 سے شروع ہوتا ہے پھر A 2 ابتدائی بول چال کی لیول کے کورس ہیں اور جاب اور تعلیمی ادارے میں داخلے کا کم از کم معیار B 1 ہے۔ اس کے بعد B 2 اور اگر مزید بہتر جرمن سیکھنا چاہتے ہیں تو آپ C 1،C 2 کر سکتے ہیں۔

اگر ان میں سے کوئی ایک جرمن زبان کورس کے بعد کسی بھی من پسند شعبہ میں تین سالہ Ausbildung کر لیتے ہیں تو پھر آپ کا جرمنی معاشرہ میں مستقبل روشن ہو سکتا ہے۔ جرمن زبان سیکھنے کے بعد آپ کو نہ صرف جرمنی بلکہ یورپ کے متعدد اہم ممالک میں بھی بہت فائدہ ہو گا جہاں جرمن زبان بولی جاتی ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کسی نئے ملک میں مستقل قیام یا ملازمت کے لئے وہاں کی سیاست، ثقافت اور معاشرتی زندگی کو سمجھنے کے لئے بہترین ذریعہ زبان ہوتی ہے اس پر دسترس حاصل کرنے کے بعد آپ معاشرہ کے اندر بہت تیزی سے مدغم ہو کر اس کا حصہ بن سکتے ہیں، لہذا جرمنی کے اندر کامیابی کی واحد کنجی جرمن زبان پر عبور ہے۔

نئ زبان دوسری قوم کی تہذیب، ثقافت، تاریخ و ادب، سیاست کو سمجھنے کے بند دریچے کھولتی ہے۔ اجنبی اور نئے معاشرے میں نئ زبان سیکھ کر جب ہم دوسروں سے ہمکلام ہوتے ہیں تو پھر ہم صرف نیا کچھ سیکھتے ہی نہیں ہیں بلکہ وہاں کے شہریوں کو بھی اپنا کلچر، اپنی تہذیب و ثقافت ان تک پہنچاتے ہیں گویا ایک زبان محض انسانوں سے رابطہ کا ہی کام نہیں کرتی بلکہ یہ دو تہذیبوں کو بھی ملاتی ہے۔ نئ زبان کے حوالے سے ایک مثال مشہور ہے کہ "ایک نئ زبان سیکھو اور ایک نئ روح حاصل کرو"۔

جرمن قوم اپنی زبان میں گفتگو کرنا بہت پسند کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر طرف جرمن زبان کا راج نظر آتا ہے، مارکیٹوں، بازاروں، بڑی بڑی اہم شاہراؤں، ریلوے اسٹیشنوں، ائر پورٹوں اور دیگر تفریحی مقامات سمیت ہر طرف سائن بورڈوں پر جرمن زبان ہی نظر آئے گی۔ شاذ و نادر ہی کہیں انگریزی زبان میں کچھ لکھا نظر آ جائے۔ ابتدائی دنوں میں مجھے انگریزی اخبارات کی شدید ضرورت محسوس ہوئی تو میں بڑے بڑے بک سٹالوں پر گیا کہ کہیں سے انگریزی زبان میں کوئی میگزین یا اخبار مل جائے لیکن ناکامی ہوئی، ہر قسم کی کتاب، میگزین اور اخبار سبھی جرمن زبان میں تھے اور ان کی بہتات تھی ہر موضوع پر لکھی کتابیں، میگزین موجود تھے لیکن صرف جرمن زبان میں۔

ان حالات میں جرمن زبان سیکھنے کی ضرورت کا احساس اور بڑھ جاتا ہے۔مارکیٹوں اور تفریحی مقامات پر گھومنے پھرنے کے دوران زبان کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے، ٹیکسی، بس یا ٹرین میں سفر کے دوران بھی یہی مشکل درپیش ہوتی ہے کہ منزل مقصود تک کیسے پہنچا جائے؟لہذا جرمنی میں جانے یا پہنچنے کے فوراً بعد سب سے پہلے جرمن زبان سیکھنا اور عبور حاصل کرنا ناگزیر ہے۔یورپ کے دیگر ممالک میں پہنچنے کے باوجود تارکین کیوں جرمنی میں جانا اور رہنا پسند کرتے ہیں؟

اس کی بنیادی وجہ اس کا فلاحی ریاست ہونا ہے۔ تعلیم کے دوران یا بے روزگاری کی صورت میں حکومت وقت اس کی تمام بنیادی ضروریات پوری کرتی ہے۔ایسا کسی اور یورپین ملک میں نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ جرمنی پہنچنا آج ایشیائی ممالک کے لوگوں کا ہی خواب نہیں بلکہ دیگر یورپین ممالک اور دیگر مغربی ممالک کے لوگ بھی یورپ کے اندر جرمنی کو ترجیح دیتے ہیں۔ جرمن یورپ کی پہلی طاقتور معیشت ہے۔اس کا پاسپورٹ دنیا کا طاقتور سفری دستاویز ہے۔

جرمنی میں ہر طرح کی مکمل سیکورٹی دستیاب ہے۔ مکمل مذہبی و سیاسی سماجی آزادی میسر ہے، نفرت انگیز تقاریر ممنوع ہیں۔ تعلیم ریاست کی انتہائی ترجیحات میں شامل ہے۔ گزشتہ سال یوکرائن کے لاکھوں مہاجرین کو پناہ دینے کے بعد ہزاروں بچوں کو پہلی ترجیح کے طور پر سکولوں میں داخل کیا گیا یوں پہلی بار گزشتہ چھ سالوں میں سکولوں میں طلباء کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔یہاں بھی ابتداء جرمن زبان سکھانے سے ہوئی ہے۔2015 میں لاکھوں شامی مہاجرین آج روانی سے جرمن زبان بول سکتے ہیں۔

شامی بچے سکولوں میں پڑھتے ہیں، لڑکے لڑکیاں کالجز یونیورسٹی میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ کام بھی کرتے ہیں۔ ان سب نے یہ کامیابی جرمن زبان سیکھنے کے بعد حاصل کی ہے۔ حکومت کا لگایا سرمایہ اب ٹیکس اور خدمات کی شکل میں حکومت کو واپس مل رہا ہے۔یورپ کے اندر آج انسانی ہجرت ہی نہیں بلکہ زبانوں کی ہجرت بھی انسانوں کے ساتھ شروع ہے۔ تہذیبوں اور مذاہب کی ہجرت بھی ہو رہی ہے اس طرح یورپ کے اندر نئے معاشروں کی تشکیل ہو رہی ہے اور یہاں بسنے والوں کا آپس میں مقابلہ مذہب و عقیدہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ اہلیت و قابلیت کی بنیاد پر ہے۔

ممبران کی طرف سے رمضان پیکٹ میں کل ایک لاکھ 675 روپے کی دوسری رقم پاکستان بھجوائی گئی ہے اسوقت تک 3 لاکھ 25 ہزار روپے کے گفٹ تقسیم کئے جا چکے ہیں ابھی وعدہ جات آرہے ہیں ادائیگی ہوتے ہی مزید رقم بھجوادی جائے گی انشاءاللہ۔ مکرم راجہ عبدالرشید صاحب اولڈ سٹوڈنٹس کی طرف سے 15 گفٹ کی ادائیگی ہوئی ہے جزاہ اللہ تعالیٰ۔ بہت سے اور ممبران جو اس پروگرام میں شامل ہوئے ہیں اللہ تعالی ان سب کی قربانی قبول فرمائے آمین۔ مکرم عبدالحمید رامہ صاحب مکرم محمود سلیمان صاحب مکرم وسیم ہاشمی صاحب مکرم حفیظ الرحمان انور صاحب مکرم ملک محمد سلیم صاحب ایک دوست جو اپنے نام کا اظہار نہیں کرنا چاہتے ان کی طرف سے گفٹ تقسیم کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔ عبدالغفور ڈوگر

خدمت گار روبورٹ

(از باصر کاظمی)

میں مانچسٹر سے ملحق ایک ٹاون، سیل (Sale)، میں رہائش پذیر ہوں۔ گزشتہ ہفتے ہمارے گھر کے قریب واقع کواپریٹیو سٹور نے اشیائے خورونوش اور روزمرہ استعمال کی دیگر اشیا گھروں تک روبوٹس کے ذریعے پہنچانے کے منصوبے کا آغاز کیا۔ صارفین ایک ایپ (app) کے ذریعے اپنی خریداری کا انتظام کرتے ہیں۔ آرڈر موصول ہونے پر سٹور کے عملے کا کوئی رکن مطلوبہ سامان روبوٹ میں رکھ کر اسے روانہ کر دیتا ہے۔ خریدار اس روبوٹ کا سفر چیک (sale) کر سکتے ہیں اور پھر اپنا سامان نکالنے کے لیے اسے کھول سکتے ہیں۔ یہ روبوٹ سنسرز (sensors) کی مدد سے راستے کی رکاوٹوں سے بچتے ہوئے فٹ پاتھ پر چلتے ہیں؛ سڑک بھی پار کرتے ہیں۔ ان پر نظر رکھنے کے لیے ایک کنٹرول مرکز بھی ہے۔ یہ چونکہ بیٹری سے چلتے ہیں لہذا فضائی آلودگی میں اضافے کا باعث بھی نہیں بنتے۔ انہیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے سفید بطخیں چلی جارہی ہوں۔ مقامی آبادی نے اس سکیم کا بہت خوش دلی سے خیر مقدم کیا ہے۔ چند تصاویر منسلک کر رہا ہوں۔ اندھیرا ہونے پر ان کی زرد جھنڈی میں بلب روشن ہو جاتا ہے۔ برطانیہ میں پہلے ہی بیڈ فورڈ، کیمبرج، لیڈز اور نورتھیمٹن میں یہ تجربہ کامیابی سے جاری ہے۔

Talim-ul-Islam College 1903

The school was upgraded to college level to accommodate boys passing high school, and to allow them to spend as much time as possible in the pure environs prevailing in Qadian..

Inauguration

On 28th May 1903 the college inauguration ceremony was held. Hazrat Mirza Ghulam ahmad [*Alah-a-salam}* was indisposed, so he could not grace the occasion in person. He designated Hadhrat Maulvi Noor-ud-Din *(ra)* to preside over the ceremony, and Hazrat Mirza Ghulam ahmad (as) graciously promised **to pray for the college in the *Baitul Duaa* during the inauguration time.**

Financial problems:

- The Jamaat's funds were already limited.due to expenses relating to guest house (*langar Khana*), school and Jamia Ahmadiyya. Prayers and periodic reminders to the membership of the Jamaat, generated a continuous flow of funds.

- Hazrat Mufti Muhammad Sadiq *(ra)*, the manager, appealed that each branch of the Jamaat to adopt one student by paying 3 - 5 rupees per month (0.2-0.5 $) as scholarship. Financial condions were so bleak that majority of the students appearing in the university examinations were unable to pay registration fee of 20 rupees (2-3 $)!
- Despite these difficulties , when compared to well placed colleges in the region, T I College pass percentage in 1905 was 75 % compared to 38 % for University.

Meanwhile the "University Act" passed by Lord Curzon, Viceroy of India was implemented. Clause 21 required strong finances and a permanent building

AS Talim-ul-Islam College, was being run at self-help basis, and it did not meet these criteria, which prompted closure of the college in 1905.

دائیں طرف سے مقصود احمد صاحب-فلاح الدین خان صاحب-عبدالرحمان مبشر صاحب-چیمہ صاحب-عبدالغفور ڈوگر-مولانا حیدر علی ظفر صاحب-اختر محمود صاحب مرحوم-نواب منصور خان صاحب-
ملک وسیم احمد صاحب-نعیم احمد صاحب حال-UK ۔مولانا عبدالباسط طارق صاحب-ملک محمد سلیم صاحب۔ملک انور صاحب-وسیم چوہدری مرحوم(فوٹو بمقام روڈل ہائم۔Rödelheim Frankfurt1979)

عاملہ مجلس خدام الاحمدیہ فضل عمر ہوسٹل ربوہ 1952

کرسیوں پر دائیں سے: خادم اسد۔، فیض اسلم۔ شیخ بشیر احمد ایڈووکیٹ۔ امیر لاہور، سمیع اللہ سیال۔، طاہر احمد ہاشمی۔

ایستادہ: عبدالرحمٰن بھٹہ۔ معین الدین۔ رشید صابر۔ مبارک مصلح الدین۔ عبدالمجید شکرانی۔ حمید اللہ